اسرارِ کائنات

ڈاکٹر سید اختر احمد ایم-بی-بی-ایس
(عثمانیہ)

اسرارِ کائنات

ڈاکٹر سید اختر احمد ایم بی بی ایس عثمانیہ

پبلشر

شعبۂ ادب پالی اسٹیڈی سرکل حیدرآباد اے پی انڈیا

ملنے کا پتہ

دواخانہ مچھلی کمان حیدرآباد ۲ اے پی

طبع بار اول

قیمت ۷۵ نئے پیسے

فہرستِ مضامین

باسمہٖ

پیش لفظ

پیشِ نظر رسالہ میں مصنف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ اسرارِ کائنات پر اپنی قوتِ فکر کو مرکوز کر کے انسان کے لئے ان کے مضمرات کو واضح کیا جائے۔ اس تصنیف کا یہ مقصد نہیں کہ کائنات کے ان تمام رازہائے سربستہ کو منکشف کیا جائے جو کائنات کے پسِ پردہ سرگرمِ عمل ہیں۔ کیونکہ ان تمام کی حقیقت کا پانا عقلاً یا وجداناً ناممکن ہے مصنف اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہے کہ وحی یا الہام کا دعویٰ ہے کہ اس نے انسان کے عرفان وہدایت کے لئے بعض اسرار کا انکشاف کیا ہے جو کائنات کے پسِ پردہ مصروفِ عمل ہیں لیکن انہوں نے صرف ان ہی الہامات کی طرف ہماری توجہ منعطف کی ہے جن کی تصدیق علمی تحقیقات سے کی جاسکتی ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے "جوہری توانائی" کو پیش کیا ہے جو کائنات میں کارفرما ہے اور جس کا انکشاف سائنس نے کیا ہے۔ ان کے خیال میں اس کے غائر مطالعہ سے ایک کٹر مادہ پرست بھی اس امر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیگا کہ ایک علیم وحکیم قوت اس کائنات کی خالق ومدبر وقیوم ہے، اور یہ ساری کائنات ایک منظم وحدت ہے جس کا ہر جزو آپس میں اس طرح مربوط ہے کہ کُل کائنات

کے عمل و اثر میں ایک نظم و وفاق پیدا ہوگیا ہے اور جو زبان حال سے یہ بشارت دے رہا ہے کہ یہ سارا سلسلہ ایک حیّ و قیوم ذات کی قیومیت سے قائم ہے اور اسی مبداء سے اپنے عمل و قوت کا فیضان پا رہا ہے۔

کائنات میں جو نظم پایا جاتا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر مصنف نے انسان کے لئے بعض سبق آموز نکات کا استنباط کیا ہے اس مشہودِ نظامِ حیات سے۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوجاتی ہے کہ کوئی فرد جو سکون و طمانیت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور خارجی کائنات سے توافق و ہم آہنگی کا خواہاں ہے، تجرید و تفرید کی زندگی بسر نہیں کرسکتا ہے اور دوسروں سے بے نیاز و غیر محتاج بھی نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے مصنف نے ساری بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ایسی ہم آہنگ و متوافق زندگی کی تبلیغ کی ہے جس کو ایک "وحدتِ کاملہ" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی اساس پر انسان ارتقائے تخلیقی میں اپنی آئندہ ترقی کی رفتار کو متعین کرسکتا ہے اور حیاتِ مابعد میں اپنا مقام پیدا کرسکتا ہے۔

ان ہی خطوط پر مصنف سلّمہ نے انسانی معاشرہ کی تنظیم کا تصور پیش کیا ہے جن پر خود نظام کائنات قائم ہے۔ اس نقشہ میں بعض جاذبِ نظر تجویزیں ان افراد کے لئے پیش کی گئی ہیں جو ذہنی، معاشرتی، سیاسی اور زندگی کے دوسرے دائروں میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ دلچسپ تجویز تو وہ ہے جس میں کرۂ ارض کے مختلف مقامات میں بسنے والوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ ایسی تنظیموں کی تشکیل کریں جن کو مصنف نے "شعوری جمہوریتوں" سے تعبیر کیا ہے بالفاظِ دیگر ایسی جمہوریت جس کے افراد کو اپنی ان ذمہ داریوں کا احساس ہو جو ایک دوسرے کے تعلق سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ ایسی جمہوریت جس میں عنانِ اقتدار ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جس کے ارکان سیرتِ صالحہ کے مالک اور اعلیٰ کردار کے حامل ہوں۔ رسالہ کا یہ

جزو اس قابل ہے کہ موجودہ سیاسی حالات کے پیش نظر اس پر تفصیلی طور پر غور و فکر کیا جائے اس سلسلہ میں اہم چیز جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے جبکہ بالغ رائے دہی کا تصور ہر شخص کے دل و دماغ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ جو تصور اس رسالہ میں پیش کیا گیا ہے وہ ایک ایسے دماغ میں پیدا ہوا ہے جس کا تعلق پیشہ طبابت سے ہے اور ظاہر ہے کہ اس پیشہ کے افراد سے بہت کم اس امر کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ادبیات کا ذوق یا میلان رکھتے ہوں۔ میں ڈاکٹر اختر احمد صاحب کو ان کی اس تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں، مجھے توقع ہے کہ وہ اپنے اس علمی شغل کو جاری رکھینگے، اور اس مخصوص میدان میں اپنے غور و فکر کے نتائج سے ہمیں آیندہ بھی استفادہ کا موقع دیں گے۔

عبد اللطیف

تعارُف

پالی اسٹڈی سرکل کی جانب سے جس کے شعبۂ ادب کا میں کنوینر ہوں، ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب کی یہ دوسری تصنیف منظرِ عام پر لائی جا رہی ہے۔ "خالقِ کائنات" کے بعد "اسرارِ کائنات" جسے تمہید کے بعد اصلِ موضوع یا اجمال کے بعد تفصیل کہا جا سکتا ہے بہت ہی برمحل پیشکش ہے۔

عصرِ حاضر میں سائنس کی ہمہ گیری، ایجادات کی کثرت اور مشینوں کی کارفرمائی نے انسان کے آرام و آسائش نمود و نمائش میں اضافہ کیا۔ رفتار میں غیر معمولی تیزی اور فاصلہ میں کمی پیدا کی تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کے اسباب فراہم کئے ایک ملک کا پیغام دوسرے دُور دراز ملک تک اس طرح پہنچانے کا انتظام کیا جیسے دیوار بیچ کوئی اپنے ہمسایہ سے بات کرتا ہے۔ یہ علم و حکمت کے وہ معرکے اور ذہن و دماغ کے وہ کارنامے ہیں جن پر عصرِ جدید کے اربابِ فکر و نظر یقیناً جا ہیں فخر کر سکتے ہیں۔ لیکن جب اس ترقی ظاہر کے دوسرے رخ پر نظر جاتی ہے تو ان تمام مفید ایجادات کا مصرف آلاتِ جنگ کی ہیبتناک صورت میں نظر آتا ہے۔ اور علم و دانش کا نتیجہ وطن، زبان، تہذیب تجارت، مذہب و ملت کے شدید تعصبات اور ایٹم بموں کی مسلسل تیاریوں میں رونما

ہوتا ہے۔

دورِ موجودہ کے انسان نے اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ جن قوتوں کی بدولت وہ کائنات کی اس بلندی پر پہنچا ہے کہ آج چاند کی سرزمین پر قدم رکھنے کے موقف میں ہے۔ ان کے پسِ پشت بھی کوئی لازوال قوت ہے۔ اور اس کے بھی انسان سے کچھ مطالبات ہیں۔

"اسرار کائنات" میں اسی امر کی طرف بالکل جدید انداز اور سائنٹفک دلائل وبراہین کے ساتھ توجہ دلائی ہے، مذہب اور عقائد سے قطعِ نظر کر کے اس قوت کو جسے مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے اس طرح منوانے کی کوشش کی ہے کہ سوچنے سمجھنے والا انسان اس کے اقرار پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس مسلمہ وحدت کے منشاو مقصد کی تکمیل کے لیئے اک عالمگیر برادری اور آپس میں انفرادی طور پر ایک دوسرے کی خدمت اور ہمدردی کی اپیل کرتے ہوئے ایک اہم ترین اور دقیق نکتہ جو ڈاکٹر صاحب بیان کر گئے ہیں وہ بہت زیادہ قابلِ غور ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کی خدمت اور ہمدردی کرنا خود اپنی خدمت اور اپنی ذات سے ہمدردی ہے، کیونکہ اس طرح وہ اپنے آپ کو حیات بعد الموت کے دائمی سکون وراحت کا مستحق بناتا ہے کسی دوسرے پر اس کا احسان نہیں ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہر قوم کے دانشوروں کی طرف سے اس بیش بہا اور نادر الوجود تصنیف کی تائید میں آواز بلند کی جائے گی اور یہ اس دور کی بہترین کتاب شمار ہوگی۔ فقط

نومبر ۱۹۶۰ء

نجم آفندی

اسرارِ کائنات

اسرارِ کائنات

حالاتِ حاضرہ

عصرِ حاضر کی سائنٹفک تحقیقات نے مادی ترقی کے ایسے دور کا آغاز کر دیا ہے کہ انسانی پیش قدمی کے سامنے فضاؤں کی تصوراتی حدیں بھی سرکتی جا رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انسان ہر شعبۂ حیات میں اس تیز رفتاری سے آگے بڑھتا جا رہا ہے کہ جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن جب اس کو امن و سکون کے میدان میں تلاش کیا جاتا ہے تو وہ اپنی قدیم منزل پر ہی ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے۔ انسان آج بھی تعمیری وسائل کو تخریب کا آلۂ کار بنانے میں مصروف ہے بعض اقوام نے ایسے خطرناک جوہری بم تیار کئے ہیں کہ اگر بین الاقوامی کشیدگی زیادہ بڑھ جائے اور کوئی ذمہ دار ہستی ان ہتھیاروں کو آبادیوں کی تباہی کے لئے استعمال کر بیٹھے تو آنِ واحد میں سارا کرۂ ارض آگ کے شعلوں میں لپٹ جائے گا۔ اور ایسی تباہی آئے گی کہ کوئی عبرت حاصل کرنے کے لئے بھی باقی نہ رہے گا۔ ایسے نازک وقت تمام عالم کے مفکرین کا فرض ہے کہ وہ زندگی کی صحیح قدروں کو معلوم کرنے کی کوشش کریں اور جو نتائج برآمد ہوں ان کو دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ ذہنِ انسانی میں صحت مند رجحانات پیدا ہوں اور کارکردگی کا معیار اونچا ہو سکے۔ اگر ہم سوسائٹی کی تعمیر موجودہ بنیادوں پر ہی کرنے

جائیں گے تو اس کی مثال ایک ایسے مینارہ کی سی ہوگی کہ جس کو الٹی شکل کا بنایا جا رہا ہو۔ یعنی چوٹی نیچے اور کشادہ حصہ اوپر کی جانب ہو۔ جتنا اس کو بلند کیا جائیگا اتنے ہی زیادہ امکانات اس کے زمین پر آ رہنے کے بڑھتے جائینگے۔

ترقی اور افلاس ایک معمہ

حالات کا جائزہ لینے پر ایک مفکر حیران رہ جاتا ہے کہ باوجودیکہ آج نئی نئی ایجاد ہوتی جا رہی ہیں۔ لاتعداد مشینیں تیار کی جا رہی ہیں۔ عملی قوت کے زبردست ذرائع حاصل ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اس ساری ترقی کے نتیجہ میں انسانوں کی محنت ہزاروں گنا زیادہ موثر ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی عوام پہلے سے کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں۔ مادی ترقی کے ساتھ افلاس کا وجود ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے آج سب ہی واقف ہیں لیکن کوئی ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اس کو ایک معمہ ہی سمجھے گا۔ اس معمہ کے حل کرنے میں مختلف مکاتب خیال کے حامل گروہ یعنی سیاسی جماعتیں عرصہ سے کوشاں ہیں لیکن بجائے اصلاح کے حالات اور بھی خراب ہوتے جا رہے ہیں اور دنیا کو نئی نئی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

نظامِ کائنات

ان حقایق کی روشنی میں اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ ہماری سوسائٹی کے اصولوں میں بنیادی طور سے خرابی ضرور ہے ورنہ نتائج اس طرح مسلسل خراب نہ ہوتے جاتے۔ ایسی صورت میں عقلِ سلیم یہی رہبری کرتی ہے کہ قبل اس کے کہ مزید تجربے کئے جائیں ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ معلوم کریں کہ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کی تعمیر اور بقا میں کون سی قوت کارفرما ہے؟ انسان کیا ہے؟ اور انسان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ جب تک ہم ان تمام باتوں کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہ کرلیں اس وقت تک سوسائٹی کے لئے

صحت مند لائحۂ عمل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ آج ہم اپنے علمی شعور اور مشاہدوں سے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ موجودات عالم میں ہر شئے اٹل قوانین کے تابع ہے اور تمام قدرتی مظاہروں میں توازن اور تناسب ہمیشہ قائم رہتا ہے اور تمام اشیاء میں ہمہ گیر ربط باہم پایا جاتا ہے۔ انسان نے جس قدر بھی ترقی کی ہے اس کا انحصار قوانینِ قدرت کا علم حاصل کرتے ہوئے ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے ہی پر رہا ہے۔ یہ صورت حال ہم کو اس بات کا یقین کرنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ کائنات کا وجود حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک مکمل منصوبہ کا حاصل ہے۔

حقیقتِ کائنات کے تعلق سے اکثر و بیشتر لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں ایک گروہ تو یہ سمجھتا ہے کہ کائنات حادثہ ہے اور مادوں کے ٹکراؤ سے چیزیں وجود میں آگئی ہیں اور نیچر کے ذریعہ زندگی کے کاروبار چل رہے ہیں۔

حقائق سے گریز

یہ نظریہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ لوگ حقائق سے نہ صرف بے خبر ہیں بلکہ صحیح تفہیم سے اس لئے بھی گریز کرتے ہیں کہ ان پر حقیقی ذمہ داریاں عائد نہ ہو جائیں اور آزاد زندگی دشواریوں میں مبتلا نہ ہو جائے حالانکہ یہ سامنے کی بات ہے کہ علم، جہل سے بہتر ہوتا ہے، اور حقیقت شناسی غلط فہمی کے مقابلہ میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ کسی آنے والے خطرہ سے آگاہ ہونے کے بعد ہی انسان اپنی حفاظت کے لئے تدابیر اختیار کر سکتا ہے ورنہ سیدھی سی بات ہے کہ آنکھیں بند کر لینے سے سامنے کا پہاڑ ٹل نہیں جاتا صرف نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور جب بھی ہم آنکھیں کھولیں گے تو وہ اپنی جگہ ہی پر قائم ملے گا۔ اسی طرح اگر ہم زندگی کے حقائق اور اپنی ذمہ داریوں کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے سے اس لئے گریز کریں کہ ہم پر

سخت پابندیاں عائد ہو جائینگی تو ایسا کرنے سے نہ تو کوئی ذمہ داری کم ہوگی اور نہ ہم نقصان سے بچ سکیں گے۔ آگ ہر حال میں ہمارے ہاتھ کو جلا کر رہے گی۔ چاہے ہم دانستہ اس میں ہاتھ ڈال دیں یا نادانستہ ہمارا ہاتھ آگ میں پڑ جائے۔

حقیقت شناسی

اب اگر ہم حقیقت شناسی کی نیت سے مسائل پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کسی حادثہ کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک مقامِ حادثہ پر ایک سے زیادہ مادوں کا وجود قبل از قبل تسلیم نہ کیا جائے۔ اور جب ہم مادوں کے وجود کو قبلِ حادثہ مان لیتے ہیں تو کسی خالقی قوت کے وجود کو قبلِ تخلیق ماننا ہی پڑے گا۔ اگر مسئلہ کو اور صاف طریقہ سے پیش کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حادثہ کوئی مادی شے نہیں ہے بلکہ مادوں کے غیر متوقع ٹکراؤ سے جو نتائج بر آمد ہوتے ہیں اس کیفیت کا نام ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی واقعہ یا سانحہ کے اسباب و علل سے ناواقفیت کی بناء پر انسان اس کو حادثہ کہہ دیتا ہے ورنہ یہ علم ہو جانے کے بعد کہ ہر شے قوانینِ قدرت کی پابند ہے اور جتنے قدرتی مظاہر سے ہوتے ہیں۔ ان میں توازن تناسب اور ربطِ باہم کے اصولوں کا موجود ہونا لازمی ہے اس امر کی مضبوط دلیل ہے کہ کائنات میں حادثہ کا وقوع پذیر ہونا قطعی خلافِ عقل اور ناممکن ہے۔

حادثہ کیا ہے؟

مثال کے طور پر کسی مکان کی ایسی چھت یکایک گر جائے کہ جس کو ہم بہت پائیدار سمجھتے ہوں تو اس کو ہم اپنی زبان میں حادثہ سے ضرور تعبیر کریں گے۔ لیکن دراصل اس کے گرنے کے جو قدرتی اسباب و علل مہیا ہوتے رہے ان سے ہم بے خبر تھے۔ اگر اس چھت کی بوسیدگی اور شگاف ہمارے سامنے موجود رہتے اور ہم ان کو واضح طریقہ سے دیکھنے کے موقف میں ہوتے

تو اس کے گر جانے کو حادثہ کبھی نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ چھت کمزور ہو گئی تھی اور اس کو اصولاً گرنا ہی چاہیئے تھا۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں آدمی کو اپنے علم سے زیادہ جہل کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر سمجھدار انسان کو چاہیئے کہ جن چیزوں سے کما حقہٗ واقف نہیں ہے ان کے متعلق اس وقت تک تحقیق جاری رکھے کہ جب تک صحیح معلومات حاصل نہ ہو جائیں۔

نیچر کسے کہتے ہیں؟

حادثہ کے مسئلہ پر بحث ختم کرنے کے بعد اب ہم نیچر پر غور کرنے کی کوشش کریں گے۔

پڑھے لکھے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد بعض غلط نظریات کو بغیر فکر کے اپنا رہی ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نیچر کی مدد سے ہر چیز انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو پھر کسی خالقی قوت کا تصور کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جب ہم نیچر کہتے ہیں تو ہم ایسے قدرتی طریقۂ کار کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس کو مستقل طور پر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر پانی کو گرم کریں تو بھاپ بن جاتا ہے اور زیادہ ٹھنڈا کریں تو منجمد ہو جاتا ہے۔ یہ صفات پانی میں ہمیشہ پائے جاتے ہیں اس لئے ان کو پانی کے نیچر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مادوں کے نہ بدلنے والے صفات کو نیچر کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں نیچر کہنے سے ہمارا مقصد نہ بدلنے والے قدرتی ضابطوں کو بیان کرنا ہوتا ہے

قوانین قدرت

اس تفصیل کی روشنی میں ہر باشعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ ضابطے ہمیشہ کسی قانون کے تابع ہوتے ہیں اور ہر قانون کے پیچھے اس کو بنانے والا شعور اور منوانے والی طاقت ہوا کرتی ہے۔ قانون کی مضبوطی اس کے خالق کی عظمت اور حکمت کا پتہ دیتی ہے اور اگر کوئی قانون کبھی نہ

ٹوٹے اور اٹل ہو جائے تو اس کی خلقت میں ایک عظیم ترین قوت ہی کارفرما ہو سکتی ہے۔ اس تمام بحث کے نتیجہ میں اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نیچر اشیاء کی متعقل صفات کا نام ہے۔ لیکن صفات کا مظاہرہ بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتا۔ یعنی ہر صفت کیساتھ موصوف کا تصور لازمی ہے۔ اور جب ہم موصوف کا وجود تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے خالق کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ اور جب ہم تمام اشیاء کے خالق حقیقی کا تصور کرتے ہیں تو ہم کو زمان و مکان اور مادیت کے ماوری ہی سوچنا پڑتا ہے اور جب ہم کائنات میں قوتِ خالقیت کو مادہ سے الگ کر کے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو صرف اس کے صفات ہمارے سامنے رہ جاتے ہیں اور اس طرح ذاتِ خالق مجموعۂ صفات نظر آتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ ہمارا تصور مفلوج ہو جاتا ہے۔

مادہ کی ماہیت

اس منزل پر جب ہم مادہ کی ماہیت کے متعلق غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ تحقیق میں اس کو قوت کا ذخیرہ ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ خود ایک مستقل وجود نہیں ہے بلکہ بنانے والی قوت کا مظہر ہے حال کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اگر مادہ کو ختم کرنے کے طریقے اختیار کئے جائیں تو اس کی بنیادی قوت ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسری اشیاء پر اثر انداز ہوتے ہوئے ان کی شکلوں کو بدل کر ان کو ایک نیا وجود دے دیتی ہے۔ یہ واقعہ ایک طرف تو ارتقاء تدریجی کے مانے ہوئے نظریہ کو کمزور کر دیتا ہے اور دوسری طرف جب ہم ایک ہمہ گیر قوت کا ساری کائنات میں یقین کر لیتے ہیں تو اس قوت کے پیچھے ایک شعوری صلاحیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ کیونکہ قدرت کے تمام نمونوں میں ایک عظیم ترتیب نظر آتی ہے جس میں حکمت کا پہلو معراج کمال پر موجود ہے اور ہر جزو اپنے صحیح مقام پر

پایا جاتا ہے۔ اس باشعور ہمہ گیر قوت نے جب ہر شئے کی تعمیر میں اعلیٰ ترین حکمت سے کام لیا ہے اور ہر جزو کا ایک مقصد رکھا ہے جس کو انسان ازل سے سمجھنے کی کوشش کرتا آرہا ہے تو پھر یہ بات واضح طریقہ سے ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ خود انسانی تخلیق کا بھی کوئی حقیقی مفہوم ضرور ہوگا۔ اس منزل پر جب ہم جوہری تجربات کے نتائج کو دیکھتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ تمام مادّوں کے آخری اجزاء جن کو سائنس دان پہلے ناقابلِ تقسیم سمجھتے تھے اب ان کی ساخت میں اور بھی چھوٹے ذرات کے وجود کا ثبوت مہیا ہوگیا ہے۔ مادّہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّہ کو ایٹم کہتے ہیں اور اس ایٹم کی ساخت میں تین قسم کے ذرات موجود ہیں جن کو الکٹران پروٹان اور نیوٹران کہتے ہیں۔ ان ذرات کی ترتیب اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایٹم کے درمیانی حصہ میں نیوٹران اور پروٹان کا مجموعہ ہوتا ہے اور ان کے اطراف الکٹران نیم دائرہ کی شکل میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان حرکات کی باعث ایک ایسی رو ہے جو پروٹان سے الکٹران کی جانب بہتی ہے۔ اس طرح پروٹان مثبت پول کی طرح اور الکٹران منفی پول کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ غور کیا جائے تو ایسی ہی رو ہر ذرّہ میں موجود رہتی ہے اور سارے موجودات کی بنیاد اسی ہمہ گیر رو پر قائم ہے جو ساری کائنات کو پُر کئے ہوئے ہے۔ یہ حقیقت ہماری عقل کی بہت دور تک رہبری کرتی ہے اور ہم نہایت اہم نتائج حاصل کرنے کے موقف میں آجاتے ہیں۔ جب تحقیق سے یہ معلوم ہوچکا کہ ایٹم میں اور بھی چھوٹے ذرات موجود ہیں تو پھر توقع ہے کہ آئندہ جب ہمارے آلات کا معیار بلند ہوجائے گا تو الکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی حقیقی ساخت کا بھی علم ہوسکے گا۔ اس طرح یہ تحقیق منزلیں طے کرتی ہی رہے گی یعنی مادّہ اور قوت کے درمیان جو حجابات موجود ہیں وہ ہٹتے ہی جائیں گے اور ایک دن یہ نظریہ حقیقت کی طرح سامنے آجائے گا کہ مادّہ دراصل اپنا مستقل وجود نہیں

رکھتا بلکہ جس قوت پر یہ قائم ہے اس کا صرف مظہر ہے۔ اس طرح مادّہ کی بدلی ہوئی شکلیں اور مختلف صفات دراصل بنیادی رو کی مختلف قسم کی اختیار کی ہوئی وضع کو ظاہر کرتی ہیں۔

اقتدارِ اعلیٰ

جب ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ساری اشیاء اور کائنات کی بنیاد میں ایک قوت کی رَو ہی کارفرما ہے تو یہ بھی یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ خالقِ حقیقی کی مرضی پر ہے کہ جس کسی چیز کو یا بہ حیثیتِ مجموعی ساری کائنات کو جب چاہے قوت سلب کر کے ختم کر دے۔

کائنات کا قیام مسلسل نہیں ہے

ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ الکٹرک بلب سے مسلسل روشنی آتی ہے حالانکہ کرنٹ سرکٹس بناتا رہتا ہے اور ہر سرکٹ کے مکمل ہونے اور رُک کے دوبارہ شروع ہونے کے درمیان کچھ وقفہ رہتا ہے جس کو صفر وقفہ کہتے ہیں لیکن یہ وقفہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو روشنی کے بجھنے کا احساس نہیں ہوتا۔ ایک دوسری مثال سینما، فلم کی ہے جہاں ریل میں جڑی ہوی سب تصویریں ساکت ہوتی ہیں مگر جب ریل کو مشین پر گھمایا جاتا ہے تو یہی تصویریں چلتی پھرتی نظر آنے لگتی ہیں۔ اور ایک تصویر کی حرکت کے بعد دوسری تصویر کی حرکت کا درمیانی وقفہ محسوسات میں نہیں آتا جب تک کہ فلم کی رفتار کو بہت سست نہ کر دیا جائے۔

یہ مثالیں ایسی ہیں کہ جن سے ہم کو یقین آجاتا ہے کہ کائنات کے قیام میں بھی قوت کی رو اپنے سرکٹ بناتی رہتی ہے اور ہر صفر وقفہ میں کائنات عالم وجود سے غائب ہو جاتی ہے مگر ہم کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں کائنات کا عظیم خالق ہر وقت خالقیت کی صفت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور اتنا قادر ہے کہ جب

چاہے قوت کو روک دے تو کائنات غائب ہو جائے۔

کائناتی محور وقت اور فاصلے

(۳) یہ علم ہو جانے کے بعد کہ ہر ایک ایٹم میں ارتعاشی حرکات موجود ہیں ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ کائنات کے ایک ایک ذرہ سے لیکر بڑے سے بڑے اجسام فلکی تک ایک رقصِ مسلسل میں گرفتار ہیں اور یہ کائناتی رقص اس وقت تک جاری نہیں رہ سکتا کہ جب تک اس عالم گیر حرکت کے لئے کوئی محور نہ ہو اور کوئی مرکزی قوت حرکت دینے کا باعث نہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانونِ قدرت میں اس کائناتی حرکت ہی کے باعث سارا نظام جذب و کشش سے قائم ہے اور باہمی درمیانی فاصلے برقرار ہیں۔ وقت اور رفتار کا تصور بھی کائناتی حرکت سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ اپنے اپنے مقام کے لحاظ سے مختلف سیاروں پر وقت کا الگ الگ معیار ہے۔ ماہر فلکیات نے معلوم کیا ہے کہ اگر کوئی انسان زمین سے بہت دور دراز کے کسی سیارے پر روشنی کی رفتار سے جا کر پھر یہاں واپس آئے تو اگر اس کو اس سفر میں دو یا تین دن کے عرصہ کا احساس ہو گا تو زمین پر اسی عرصہ میں کئی سال گذر چکے ہونگے۔ اس کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کائناتی مرکز سے ہم جتنا قریب ہوتے جائینگے وقت اور رفتار کا تصور نسبتاً گھٹتا جائے گا۔ اس کو ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ایک گھڑی کے ڈائل پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ جب اس کی سوئی اطراف میں چکر لگاتی ہے تو بیرونی آزاد سرے کو اضافی فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جبکہ اسی وقت میں محور سے ملحق سرا بہت کم فاصلہ طے کرتا ہے۔ یعنی سوئی کا محور تو بالکل ساکت ہی رہتا ہے لیکن سوئی کا فاصلہ جس قدر اس محور سے بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی رفتار کی تیزی کا احساس بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اب یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کائناتی محور بھی اسی طرح اپنے مقام پر

خاموش ہے اس لئے وہاں نہ وقت ہے اور نہ رفتار لیکن اجسام فلکی جیسا جیسا اس محور سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں ان پر وقت کی رفتار کا احساس اضافی ہوتا جاتا ہے۔ اب اگر کائناتی مرکز سے حرکت دینے والی قوت کو روک لیا جائے تو نظام کائنات یقینی طور سے درہم برہم ہو جائے گا۔

کائناتی نظام اور ربطِ باہم

ایٹم کی ساخت میں قوت کی رو کا نظام اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ساری کائنات میں ایک ہی قوت کار فرما ہے اور ایک ہی قوت کے مرکز سے سارے موجودات پر قابو رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی یقینی ہے کہ جب ہر مادہ قوت کی رو کے سسٹم پر قائم ہے تو ہر شئے سے قوت کی لہروں کا خارج ہونا ضروری ہے۔ یہ تمام لہریں اشیاء سے نکلتی رہتی ہیں اور اطراف کی فضاؤں میں خاص اثرات پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح کوئی فضا اثرات سے خالی نہیں ہے۔ مختلف فضائیں اپنے اثرات میں مختلف ہوتی ہیں اس لئے ہر خطہ میں مخصوص اشیاء اور خاص نوعیت کی مخلوق ملتی ہے کیونکہ جن چیزوں کے لئے فضا سازگار ہوتی ہے وہی پنپ سکتی ہیں۔ اس طرح یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہے کہ ساری کائنات میں فضاؤں کی لہروں سے ایک ہمہ گیر ربطِ باہم موجود ہے۔ اور جس طرح سمندر کے کسی گوشہ میں کوئی تبدیلی سارے سمندر میں اثرات پھیلا دیتی ہے۔ اسی طرح کائنات میں کسی قسم کا حادثہ ساری فضاؤں کو متاثر کرتا ہے اسی سبب سے موجودہ سائنس نے برقی لہروں کی نوعیت سے واقف ہو کر ایسے آلے ایجاد کئے ہیں کہ دنیا کے کسی حصہ میں آوازوں اور تصویروں کی لہروں کو تازہ کر لیا جاتا ہے۔ اگر کائنات میں برقی نظام نہ ہوتا اور فعل کے اثرات برقی لہروں کی شکل میں فضاؤں میں محفوظ نہ ہوتے تو

آوازوں اور تصویروں کو کس طرح تازہ کیا جا سکتا تھا؟ اس وسیع میدان میں ابھی بہت گنجائش ہے کہ تحقیق سے اور بھی بہتر نتائج حاصل کئے جا سکیں چنانچہ وہ دن دور نہیں کہ جب امراض کی تشخیص اور علاج لہروں کے ذریعہ ہی ہوا کریگا۔ اس موقف میں ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کے تمام اعمال بھی لہروں کی شکل میں فضاؤں میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی تعمیری اور تخریبی نوعیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس لئے انسانوں کو اپنے اعمال پر سخت نگرانی رکھنا چاہیئے کیونکہ صحت مند اعمال سے صحت مند ویوز اور تخریبی اعمال سے غیر صحت مند ویوز خارج ہو کر دنیا کی فضاؤں میں ویسے ہی اثرات مرتب کرتے ہیں۔

نمائش گاہِ قدرت

اس تمام بحث کے نتیجہ میں ایک اہم انکشاف ضرور ہوتا ہے کہ دنیا اور اس کے اطراف فضاؤں میں قدرتی نظام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شعورِ کامل نے بے پناہ طاقت کے ذریعہ لاتعداد اشیاء اور عناصر کو خلق کر کے اعلیٰ ترین حکمت کا مظاہرہ کیا ہے اور ساری کائنات کو اپنی تخلیقی قدرت کی نمائش گاہ بنا دیا ہے۔ انسان اگر غور کرے تو موجودات میں ہر چیز اپنی ساخت اور خصوصیات اور تفصیلات کی روشنی میں منفرد نظر آئے گی اور انسان جس شعور کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ اسی شعورِ کامل کا پرتو ہے کہ جس نے اس کو خلق کیا ہے۔ انسان کو ساری صلاحیتیں اسی لئے عطا کی گئی ہیں کہ نظامِ قدرت کو دیکھ کر اور سمجھ کر یہ بھی اپنی عقل اور سمجھ سے خالقیت کا مظاہرہ کرے اور اپنے شعور کو اونچا کرتے ہوئے قدرت سے قریب تر ہوتا جائے۔

انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟

اب اگر ہم نظرِ غائر

سے دیکھیں تو یہ بات صاف اور صریح طریقہ سے ہمارے سامنے آجائیگی کہ بفرض محال ساری کائنات اپنے تمام عجائبات اور خصوصیات کے ساتھ عالم وجود میں ہوتی لیکن صرف انسان کی جیسی باشعور مخلوق خلق نہ کی گئی ہوتی تو قدرت کی کارسازیوں کو کون سمجھتا اور پرکھتا؟ اس لیئے اس دنیا میں انسان کا وجود کائنات میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسان نہ صرف کرشمہ ہائے قدرت کا نقاد ہے بلکہ تعمیر دنیا اسی کے اعلیٰ شعور کی محتاج ہے۔ یہی امتیاز انسان کو تمام دوسری مخلوق پر فضیلت دینے کا باعث ہے لیکن اس مقام پر یہ اظہار کرنا ضروری ہوگا کہ اشرف المخلوقات کے درجہ پر وہی انسان فائز ہوتے ہیں جو اپنے شعور کو اعلیٰ سطح پر پہنچا کر قدرت کی مرضی کے مطابق تعمیری صلاحیتوں کا عملاً مظاہرہ کرتے ہیں اور ہر چیز کی قدر و قیمت پہچان کر اس کو صحیح مقام دیتے ہیں۔

دنیا ایک لیبارٹری؟

قدرت نے انسان کو فطرتاً حقیقت آشنا بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کا ہمیشہ تقاضا رہتا ہے کہ وہ کار تحقیق جاری رکھے اور اپنی محنتوں سے زندگی کے لیئے نئی نئی آسائشیں حاصل کرتا رہے۔ اس تحقیقی کام میں انسانوں کا اشتراک اور اتحاد ضروری ہے ورنہ کار تحقیق کی رفتار بہت سست ہو جائے گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ بیشتر انسانوں نے قدرت کے منشاء اور اپنے مفاد کو پوری طرح نہ سمجھا اور اسی لیئے وہ گروہ در گروہ گمراہ کن نظریات کا شکار ہو کر جماعتوں میں تقسیم ہوتے رہے اور اپنے عمل کی صحیح مرکزیت کھو بیٹھے جس کی وجہ سے انسانوں میں ہم آہنگی باقی نہیں رہی۔

اب جب کہ ہم انسانی کارکردگی کی اہمیت اور منشاء قدرت سے وابستگی

کی واجبیت کو خوب سمجھ چکے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم صحیح لائحۂ عمل مقرر کریں اور دنیا میں سب مل کر اس طرح محنت اور محبت سے زندگی گزاریں کہ جیسے ہم سب ایک ہی تحقیق لیبارٹری کے کام کرنے والے ہیں۔

دنیا ایک فیکٹری؟

جب ہم دنیا کو کائنات کی لیبارٹری تصور کر لیتے ہیں کہ جہاں تحقیق کے نتایج جمع کئے جاتے ہیں تو پھر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس لیبارٹری کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مختلف فیکٹریاں کام کرتی رہیں تاکہ لیبارٹری میں ہر قسم کا سامان اور آلات فراہم ہو سکیں۔ عملاً یہی دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کی فیکٹریوں میں ہر کام کرنے والا اپنے اپنے کام کے لئے صلاحیت اور قابلیت حاصل کر لیتا ہے۔ جب ہی اس کو کام دیا جاتا ہے لیکن وہاں تخریب بھی پیدا ہوتی ہے جہاں کام کرنے والے اپنا کام انجام دیتے ہوئے دوسروں کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں اگر سارے لوگ منشاءِ قدرت کو نہ بھولیں اور نسلِ انسانی پر جو ذمہ داری عائد ہے اس کو فراموش نہ کریں تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ سب کی متحدہ محنت ہی اس دنیا کی فیکٹری کی مجموعی کارکردگی کو اونچا کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی فیکٹری کے نتائج اس وقت تک اچھے نہیں ہو سکتے جب تک سارے کام کرنے والے اپنی اپنی جگہ صحیح طریقہ سے کام نہ کریں کیونکہ چند کاریگروں کے اچھا کام کرنے سے فیکٹری کی عام کارکردگی بلند نہیں ہو سکتی۔ جب ہماری دنیا ایک لیبارٹری اور فیکٹری ہی قرار پاتی ہے تو ہر باشعور اور بالغ انسان پر فرض ہے کہ وہ پوری زندگی کوئی نہ کوئی کام کرتا رہے اور جس کام سے دلچسپی ہو اس کے لئے اپنے تئیں تیار کرے اور ترقی کی کوشش کرتا رہے تاکہ اس کی ذاتی کارکردگی اونچی ہو کر دنیا

کی تعمیر کو آگے بڑھائے۔ اس طرح ہر انسان کے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو صحیح انسانی زندگی بنانے کے لئے ضرور کچھ کام کرے ورنہ وہ اپنا کارِ منصبی پورا نہ کرکے دائرۂ انسانیت سے عملاً خارج ہوجائیگا۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کام کرنے والوں کی جگہ ہے اور جو لوگ کام نہیں کرتے ان کو زندہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔

ملک اور قوم ؟

جب ہم اپنے کرۂ ارض پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا جغرافیائی نشیب و فراز کی وجہ سے متعدد منطقوں میں منقسم ہے اور یہ علیحدہ علیحدہ منطقے اپنے جائے وقوع اور آب و ہوا کے اختلاف کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ مختلف منطقوں میں قدرتی دولت کے ذخائر بھی اکثر علیحدہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ان تمام اختلافات کی بنا پر مقامی باشندے بھی اپنی جسمانی ساخت و عادات اور تہذیب میں کچھ مختلف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو دوسرے منطقے کے لوگوں سے شناخت کیا جاسکتا ہے۔ صنعتی اعتبار سے بھی مختلف منطقوں میں مختلف قسم کی صنعتیں زیادہ کامیاب ہوتی ہیں کیونکہ لوگ اپنے طبعی حالات کی وجہ سے خاص خاص کاموں میں زیادہ ماہر ہوجاتے ہیں اور مقامی سہولتیں ان کے کاموں میں مدد کرتی ہیں

عرف عام میں کسی علیحدہ منطقے کو ملک اور وہاں کے باشندوں کو قوم کا نام دیا جاتا ہے۔ جس حد تک نشان دہی کے لئے ان الفاظ کو استعمال کیا جاتا ہے وہ درست ہے لیکن دنیا میں ان ناموں کے ساتھ جس معنویت کا عملی طور پر مظاہرہ ہوتا رہا ہے یعنی ملک کو ایک علیحدہ وحدت اور قوم کو علیحدہ گروہ سمجھا گیا ہے وہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ غلط نظریہ ہی دنیا میں جنگ و جدال کا سبب بنا رہا ہے۔ صحیح طریقۂ فکر یہ ہے کہ ایک علیحدہ ملک دنیا کا ایک حصہ ہے اور وہاں کی قوم نسلِ انسانی کا ایک جزو ہے۔ کاروبار کے انجام

دینے کے لئے ان ملکوں کا اسی طرح انتظام ضروری ہے کہ جس طرح ایک فیکٹری اپنے انتظامات میں مختار ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح ملک کی تمام فیکٹریاں اسی لئے کام کرتی ہیں کہ عوام کی ضروریات کی سربراہی کریں اسی طرح ہر ملک کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کو ساری نسلِ انسانی کی سربراہی میں اپنا حصہ ادا کرنا ہے۔

ہر ملک کو چاہیئے کہ اپنی صنعتوں کو ترقی دے اور اپنے علمی اور عملی نتائج کو دنیا کے سامنے عام استفادہ کے لئے پیش کرتا رہے اور اگر سارے ممالک ایسا ہی عمل کریں تو ہر ملک کو ترقی کے نئے نئے راستے ملتے جائیں گے اور کاروبارِ دنیا بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھے گا ہر ملک کے عوام دوسرے ممالک کے ساتھ دوش بدوش چل کر ہی دنیا کی تعمیر کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بہتر مشوروں سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اسی طریقے سے نسلِ انسانی کی کارکردگی مرورِ زمانہ کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔

فوجیں برخواست کی جائیں

ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد ضروری ہو جاتا ہے کہ جنگ کا تخریبی نظریہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ جنگ و جدال سے دنیا کے کاروبار میں ایسی کاوٹیں پڑتی ہیں کہ برسوں تک اس کا اثر زائل نہیں ہوتا اور یہ انسانی کارِ منصبی کے بالکل مغائر ہے۔ جنگ کا خوف ملکوں کو خود مکتفی بننے کے لئے مجبور کرتا ہے جس کی وجہ سے ہر ملک ہر قسم کی صنعت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح ملکوں میں ناموزوں صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے حکومتیں تحدیدی ٹکس لگانے پر مجبور ہو جاتی ہیں تاکہ ان کے ملک کا ادنیٰ سامان دوسرے ممالک کے اسی قسم کے اعلیٰ معیار کے سامان کے مقابلے میں فروخت ہو سکے اس طرح عوام دنیا کی بیشتر اچھی چیزوں کے استعمال سے محروم رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ

مقامی صنعتیں بھی بعض ضروری سامان کی کمی کی وجہ سے متاثر ہوتی رہتی ہیں۔

ممالک کی سرحدوں کا مستقل تعین ضروری ہے

جنگ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کرنے کی خاطر یہ ضروری ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کی سرحدوں کا مستقل طریقہ سے تعین کر دیا جائے تا کہ جھگڑے کا سبب ہی ختم ہو جائے۔ ایسا کرنے سے فوجوں کی ضرورت اور افادیت خود بہ خود ختم ہو جائیگی سرحدوں کی صرف اس حد تک حفاظت کرنا ہوگی کہ وہ غیر سماجی عناصر کی تخریبی کارروائیوں سے محفوظ رہیں جس کے لئے ہر ملک کی پولیس کافی موثر رہے گی۔ سرحدوں کے تعین اور جنگ کے معدوم ہو جانے کے بعد ایک ملک کے لوگ دوسرے ملکوں میں آسانی سے نقل و حرکت کر سکیں گے اور دنیا کی تہذیب و تمدن کا عام معیار بہت تیزی سے بلند ہوتا جائیگا۔

آزاد تجارت

جنگ کے ختم کر دینے سے آزاد تجارت کا طریقہ رائج ہو جائیگا اور ہر ملک اس بات کی کوشش کرے گا کہ اپنی صنعتوں کو اتنا اونچا کرے کہ ساری دنیا کے عوام اس کی چیزوں کو استعمال کریں۔ اس طرح دنیا کے ہر بازار میں بہترین اشیاء افراط کے ساتھ فراہم رہیں گی اور ایک انسان اپنی زندگی میں دنیا کی اچھی سے اچھی چیزوں سے استفادہ کر سکے گا جس کے امکانات آج ختم ہو گئے ہیں۔ آزاد تجارت کی وجہ سے تجارتی مقابلے معیاری ہو جائیں گے کیونکہ آج مقابلہ کا طریقہ یہ ہے کہ اشیاء کے معیار کو گھٹا کر قیمت میں کمی کرتے ہیں جس کی وجہ سے عوام نقصان میں رہتے ہیں اور کمتر درجہ کی چیزوں کو مجبوراً استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ساری دنیا یہی کہہ رہی ہے کہ قیمتوں کے معیار پر مقابلہ کرنا بہت غلط ہے۔ بلکہ اشیاء کے معیار کی اساس پر مقابلہ ہونا چاہیئے جو ہر طرح صحت مند ہوگا۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا

کہ جب تک بیرونی مال پر تحدیدی ٹیکس کو نہ روکا جائے۔

پسماندہ ممالک کی امداد کیوں ضروری ہے؟

جب دنیا میں امن قائم ہوجائیگا اور ساری قومیں مل جل کر رہینگی تو انسانی کارکردگی اور دنیا کی ضروریات کی تکمیل کے لئے یہ لازمی ہوجائیگا کہ ہر ملک میں عوام کے معیار کارکردگی کو اونچا کیا جائے تاکہ جو سربراہیاں اُن کے ذمہ ہیں وہ پوری ہوسکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں روئی افراط سے پیدا ہوتی ہے تو اس ملک میں کپڑا بنانے کی زیادہ آسانیاں ہیں اس لئے اگر اس ملک میں مشینیں نہیں بنتی ہیں یا کام کرنے کے لئے مالیہ کی کمی ہے تو دوسرے ممالک پر فرض ہوگا کہ وہ ایسی تمام سہولتیں مہیا کردیں تاکہ اسی ملک میں کپڑا تیار ہوسکے۔

ورنہ دوسری شکل میں روئی کو یقینی طور سے ایسے ممالک میں منتقل کرنا ہوگا جہاں کپڑا بنانے کی دوسری سہولتیں موجود ہیں۔ اس حمل ونقل میں ایک طرف زیادہ مصارف عائد ہونگے اور دوسری طرف مقامی لوگ بیکار ہوجائینگے اور نتیجہ میں کسی دوسرے ملک کے عوام مقامی صنعت کو چھوڑ کر کپڑا بنانے میں لگ جائیں گے۔ اس ایک مثال سے واضح ہوجاتا ہے کہ کسی ملک کی آبادی اگر تعمیر دنیا میں برابری کا حصہ نہ لے سکے تو دوسرے ممالک کے عوام کو اس کی پابجائی کرنا پڑتی ہے اور تعمیر دنیا میں اس طرح کمی واقع ہوتی ہے۔ اجتماعی جدوجہد ہی دنیا میں دولت کی فراوانی کا ذریعہ بن سکتی ہے کیونکہ اجتماعی قوت میں انفرادی حفاظت کا راز ہے۔ آج بڑی مملکتیں پسماندہ ممالک کو آگے بڑھانے کے لئے مدد ضرور کررہی ہیں۔ لیکن اس امداد میں خودغرضی کا عنصر غالب ہے۔ اگر یہی مدد خلوص سے دیجائے اور اس اساس پر کہ یہ انسانی فریضہ ہے

اور کا منصبی ہے تو نتائج کہیں زیادہ بہتر ہوں گے۔

بین الاقوامی فیڈرل تنظیم

آج اگر تمام بڑی طاقتیں اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ساری دنیا کے ممالک کی سرحدوں کا تعین کر دیا جانا چاہیئے تو کسی دوسرے ملک کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔ سرحدوں کے تعین کے بعد ایک مضبوط اور موثر بین الاقوامی فیڈرل پلیٹ فارم بنانا بہت آسان ہو جائیگا جہاں ملکوں کے مشترکہ مسائل مثلاً صنعت، تجارت، تعلیم، طبی امداد وغیرہ کے لیئے عالمگیر انتظام ہوسکیگا۔ اس مقام پر اس اہم مسئلہ کا صاف کر دینا ضروری ہے کہ مشترکہ مسائل کو حل کرنے کے لیئے ممالک کا فیڈریشن ایک الگ چیز ہے اور دنیا میں ایک حکومت کا تصور بالکل علیحدہ بات ہے۔ جس طرح ایک خاندان اپنے رہائیشی مکان میں اپنے پسندیدہ طریقہ سے رہتا ہے اور کسی کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے اسی طرح ہر ملک کو اپنے اپنے طریقہ سے حکومتی نظام قائم کرنے اور ملک کا انتظام کرنے کا اختیار رہنا ضروری ہے۔ البتہ جس طرح ایک خاندان دوسرے پڑوسیوں کی مشترکہ آسائیشوں کو نہیں روک سکتا اور حکومت اس کی نگرانی کرتی ہے اسی طرح فیڈرل تنظیم کو ہر ملک کے عام مفادات کا ضرور خیال رکھنا ہوگا۔

معاشی بنکس

فیڈرل پلیٹ فارم کے ذریعہ صنعت اور تجارت کو کنٹرول کرنے سے دنیا میں بہت پرسکون ماحول پیدا ہوسکیگا مختلف ممالک کی زائد پیداوار اور ضروریات کا اندازہ ہوجانے کے بعد مرکزی وفاقی تنظیم کے ذریعہ تجارتی مال کے تبادلے ممکن ہوسکیں گے جس کی وجہ سے قیمتوں کا اتار چڑھاؤ اور سٹہ بازی بالکل ختم ہوجائیگی۔ ہر ملک میں زائد مال کے معاشی بنک قائم کردیئے جاسکیں گے اور ہر ملک

کو اپنے نزدیک ترین ممالک کے ذریعہ سامان فراہم ہوتا رہے گا اور حمل ونقل کے اخراجات میں کافی کمی ہو جائے گی۔ قیمتوں کا تعین کرتے رہنے سے صنعت کاروں میں اشیاء کے معیار پر مقابلے ہوا کریں گے اس طریقۂ کار میں دوسری خوبیاں یہ پیدا ہونگی کہ ایک تو ذخیرہ اندوزی ختم ہو جائیگی کیونکہ تاجروں کو یہ خوف رہے گا کہ ہر نئے سال میں بہتر چیزیں اور کم قیمت پر آگئیں تو ان کو خسارہ اٹھانا پڑے گا۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ ہر ملک میں معاشی بینکس کی بنیاد پڑ جائے گی یعنی جس ملک کے پاس برآمد کرنے کا سامان ہوگا وہ فیڈرل تنظیم کی تحویل میں دیدیا جائیگا اور فیڈرل تنظیم کو یہ اختیار ہوگا کہ کسی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے وہ مال اسکو دیدے اس طرح کرنسی بینکس کی جگہ بڑی حد تک معاشی بینکس لے لینگے اور حکومتوں کو آپس میں تجارتی معاہدے کرنیکی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

ہر انسان مساوی حق رکھتا ہے

عالمی سطح پر ممالک کے حقوق اور مفادات کا انتظام ہونے کے ساتھ ہی اندرونِ ملک بھی اچھی حکومت اور صحیح طریقۂ کار ترقی کے لئے بہت ضروری چیزیں ہیں۔ نظام قدرت میں ہر شخص کے پیدائشی حقوق اور اس کی ذمہ داریاں یکساں ہیں۔ ایک خطۂ ملک میں ہر شخص کو مساویانہ آزادی حاصل رہنا چاہیئے۔ آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت اور ایک ماحول میں اگر ایک سے زیادہ انسان موجود ہوں تو ہر ایک پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا ہی کام کرے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ اگر دوسرے بھی چاہیں تو ایسا ہی کام بلا روک ٹوک اور سہولت کے ساتھ انجام دے سکیں۔ ایک ملک میں تمام قدرتی ذرائع پر سارے کے سارے عوام کا مساوی حق ہوتا ہے اور ان کا سب کے واسطے

یکساں کھلا رہنا ضروری ہے۔ ایک اچھی حکومت کا یہی فرض ہے کہ وہ اس اصولِ آزادی کو سختی کے ساتھ عملی جامہ پہنائے اور ایسا پروگرام مرتب کرے جس سے اجتماعی انحکام اور انفرادی آزادی برقرار رہ سکے۔

حصولِ اقتدار کی کشمکش

دورِ حاضر میں آزادی اور حقوق کے الفاظ کا اتنی کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے کہ تاریخ میں ایسی مثال کسی دور میں نہیں ملتی۔ لیکن سب ہی جانتے ہیں کہ یہ اصطلاحات اپنی صحیح معنویت کھو چکے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی تنظیم اقتدار کی جد وجہد میں آگے بڑھتی ہے تو آزادی اور عوامی حقوق کا ہی نعرہ لگاتی ہے مگر اس میں خود اپنے اقتدار کا مقصد پوشیدہ رہتا ہے اور اس طرح جنگ آزادی کا سلسلہ لامتناہی ہو جاتا ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ جب ایک ملک بیرونی قوتوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے تو سارے عوام ساتھ دیتے ہیں لیکن آزادی ملنے کے بعد ملک کی سیاسی تنظیموں کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اگر ایک تنظیم حکومت کی باگ ڈور سنبھالتی ہے تو دوسری تنظیمیں عوام میں اس کو بدنام کرکے اپنے مفادات کو آگے بڑھاتی ہیں۔ برسرِ اقتدار تنظیم میں گروہ بندیاں شروع ہو جاتی ہیں اور اراکین گروہ در گروہ بٹ جاتے ہیں اور بات انفرادی مفاد پر آ کر ٹھہرتی ہے۔ اس طرح ملک میں ہزاروں قسم کی بدنمائی اور بداخلاقی کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں جن پر یہ کہہ کر پردہ ڈال دیا جاتا ہے کہ اسی کا نام "سیاست" ہے اور جمہوریت میں تو یہ سب ہوتا ہی ہے۔

ان حالات میں جب کہ رائج الوقت طریقۂ کار اجتماعی مضرت رساں ثابت ہو چکا ہے ایک حقیقت شناس کے لئے خاموش رہنا ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ آج کے جمہوری نظام میں صحت مند تبدیلی کی سخت ضرورت ہے جس سے کوئی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا

لیکن جیسا کہ ہر زمانے میں ہوتا آیا ہے کہ سطح سے بلند ہو کر لوگ بہت کم سوچتے ہیں اور خصوصاً وہ جو اقتدار رکھتے ہوں، اقتدار سے چمٹے ہوئے افراد اکثر و بیشتر ہر صحت مند رجحان کو جو ان کے مفاد کے مغائر ہو قوت سے دبا دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

سیاسی اجارہ داریاں

اگر ہم انصاف کے ساتھ حالات پر غور کریں تو اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ سیاسی اجارہ داریاں کم و بیش ویسی ہی خطرناک اور تخریبی ہیں جیسے کسی زمانہ میں شاہی نظام تھا صرف فرق اتنا ہے کہ شاہی میں ایک ہی شخص تعمیر و تخریب کا ذمہ دار ہوتا تھا اور اپنے اقتدار کی حفاظت کرتا رہتا تھا اور جمہوریت میں یہی اقتدار تقسیم ہو گیا ہے اور ایک کے بجائے بہت سے افراد اقتدار کو اپنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس اقتدار کی دوڑ میں جو قائدین عوام کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں انہی کی جیت ہوتی ہے لیکن عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ عوامی تائید حاصل کرتے وقت اخلاقی معیار اور صداقت کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی بلکہ ہر قیمت پہ تائید حاصل کرنا ہی مقصد بن جاتا ہے۔ اس سیاسی اقتدار کی جد و جہد میں نہ معلوم کتنے افراد تعمیری زندگی سے ہٹ کر اپنے مستقبل کو تباہ کر لیتے ہیں اور صرف چند خوش نصیب ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ وہ لوگ جو اک طویل کوشش کے بعد اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ انکو پہلے اپنے بگڑے ہوئے معاشی حالات کو سدھارنا پڑتا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنی بدعنوانیوں کو منظر عام پر آنے سے روکنے کے لئے نہ معلوم کتنے غلط افراد کو عوامی وسائل سے مراعات دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جماعتی سیاست تخریبی ہے

ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات صاف ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ سیاست

میں جماعتی تنظیموں کا وجود ہر ملک کے لئے نقصان رساں ہے اور اس لئے ان کو ختم کر دینا ہی ضروری ہے تاکہ ملک کے انتظامات میں تخریبی عنصر باقی نہ رہے۔ اس خیال سے اگرچہ اکثر مفکرین اور رہنماؤں کو اتفاق ضرور ہے لیکن اس کو کس طرح سے روبہ عمل لایا جائے یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ کسی نے اب تک اس کا حل پیش نہیں کیا۔ ہمارے سامنے ایسے بھی ممالک ہیں کہ جن میں ایک ہی نظریۂ سیاست ہے اور ایک ہی سیاسی پارٹی کام کر رہی ہے لیکن وہاں بھی چند بنیادی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔ سب سے نمایاں خرابی یہ ہے کہ ایسے ممالک میں صرف وہی لوگ حکومتی تنظیم میں حصہ لے سکتے ہیں جن کو برسرِ اقتدار جماعت سے کامل اتفاق ہو ورنہ کوئی کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اس کو نہ تو تنقید کی اجازت ہے اور نہ وہ ملک کے انتظام میں کوئی ذمہ دارانہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ واقعات گواہ ہیں کہ ایسے ممالک میں آمرانہ طرزِ حکومت پیدا ہو جاتا ہے اور ایک آمر اپنے پیشروؤں کے دور کی برائیوں پر روشنی ڈالتا رہتا ہے حالانکہ عوامی حکومت میں غلطی کو فوراً محسوس کر کے اصلاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ ایک پورا دور غلطیوں میں گذر جائے اور عوام دم نہ مار سکیں۔

قانونِ قدرت کی روشنی میں حکومت کی پالیسی

قوانین قدرت اور عام انسانی

فلاح وبہبود کی اساس پر اگر سوچا جائے تو یہ چار اصول سامنے آتے ہیں۔

(۱) حکومت کو انفرادی آزادی اور اجتماعی مفاد کی اساس پر اس طرح کام کرنا چاہیئے کہ انفرادی حقوق اور ترقی کسی وقت بھی متاثر نہ ہونے پائیں۔

(۲) حکومت جمہوری ہونی چاہیئے۔

(۳) حکومت اعلیٰ ترین صلاحیت رکھنے والے افراد کے ہاتھوں میں رہنی چاہیئے۔

(۴) حکومت جماعتی اساس پر نہ بنانا چاہیئے۔

پہلے دو۔ اصولوں سے کسی کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ہو سکتی لیکن تیسرے اور چوتھے اصولوں میں بہت سی پیچیدگیاں عام ذہنوں میں پیدا ہوتے کی گنجائش ہے۔

(۱) موجودہ سیاست عوام کے ذہنوں میں اس قدر جڑیں پکڑ گئی ہے کہ یہ تصور کرنا بھی مشکل ہوتا ہے کہ بغیر کسی خاص سیاسی نظریہ کے حکومت چلائی بھی جا سکتی ہے؟

(۲) اگر سیاسی جماعتیں نہ ہوں تو قابل لوگوں کو کس طرح چنا جائے اور کون چنے؟

(۳) اس کی کیا ضمانت ہے کہ جو لوگ حکومت کے لیے منتخب ہوں گے وہ اچھا انتظام کر سکینگے؟

اگر ہم ان مسائل کا صحت مند تجزیہ کر کے کوئی عملی حل دریافت کر لیں تو بات صاف ہو جائے گی اور موجودہ زمانہ کی پریشانیوں کا ازالہ ممکن ہو جائے گا۔

غیر پارٹی اساس پر حکومت کی کارکردگی بہتر ہو گی

یہ بات کہ حکومت غیر پارٹی اساس پر قائم ہو اس کے لیے زیادہ غور کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سب ہی جانتے ہیں کہ با اقتدار جماعت عملاً اپنے خاص اقتدار کے لئے زیادہ جد و جہد کرتی ہے اور عوامی مفاد اکثر و بیشتر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر حکومت غیر سیاسی ہو تو ہر فرد کو اپنی کارگزاری کے مفید نتائج کی اساس پر حکومت میں جگہ ملتی رہے گی ورنہ اس کو خدمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس طرح حکومت کے ہر فرد کو ٹھوس خدمات انجام دینے کی ضرورت محسوس ہو گی اور جب کوئی شخص عوامی مفاد کے خلاف کام کرے گا تو دوسرے ساتھی اپنی

بدنامی کے ڈر سے اس کی کھلی مخالفت کریں گے۔ موجودہ طریقہ میں با اقتدار سیاسی جماعتیں اپنے ارکان کی بدعنوانیوں کو اس لیے پوشیدہ رکھتی ہیں کہ پوری جماعت بدنام ہو کر عوام کا اعتماد نہ کھو بیٹھے۔ اس طرح یہ طے ہو جانے کے بعد کہ حکومت غیر جماعتی ہو اب ہم کو یہ سوچنا ہے کہ حکومت کے لیے اعلیٰ قابلیت اور اعلیٰ کردار رکھنے والے افراد کا کس طرح انتخاب کیا جائے

سوسائٹی میں غیر فطری طبقات

قبل اس کے کہ ہم کسی طریقہ کار کا تعین کریں ہم کو اپنی سوسائٹی کا جائزہ لینا ضروری ہوگا۔ ہماری سوسائٹی غیر آئینی اور آئینی طبقات میں منقسم ہے۔ غیر آئینی طبقات لوگوں نے خود قائم کیے ہیں جن کی بنیاد رنگ نسل۔ مذہب اور قومیت پر رکھی گئی ہے۔ قانونِ قدرت میں چونکہ ہر انسان کے یکساں حقوق ہیں لہٰذا ایسی کسی تقسیم اور تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا والے اپنی تنگ نظری سے طبقاتی فرق پیدا کر کے انسانوں کو بلا وجہ ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے اندرونِ ملک بھی کہیں سکون نصیب نہیں ہے۔

سوسائٹی کے فطری طبقات

قدرتی اور آئینی طبقات کوئی پیدا نہیں کرتا بلکہ جب لوگ زندگی کی جدوجہد میں آگے بڑھتے ہیں تو مختلف افراد مختلف صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام کے قابل بناتا ہے اور جس کی صلاحیت اور افادیت مسلمہ ہو جاتی ہے اس کو مناسب خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پیدائش کے وقت ہر بچہ کی دماغی صلاحیت یکساں نہیں ہوتی جس طرح مختلف قومیت رکھنے والوں میں کچھ نہ کچھ جسمانی فرق ہوتا ہے اسی طرح ہر قوم اور ملک کے باشندوں میں دماغی معیار کا کچھ نہ کچھ فرق

ضرور ہوتا ہے۔ یہ بنیادی فرق انسانوں میں طبقات پیدا ہو جانے کا باعث بنتا ہے۔ ذہنی اور دماغی رجحانات کے اختلاف سے لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں اور ان میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے ترقی کرتے ہیں۔ اس طرح صلاحیتوں کی اساس پر طبقات کا وجود میں آنا لازمی ہے جس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ایک ہی طبقہ میں مٹی ڈھونے والے مزدور سے لیکر ایک کامیاب انجینئر تک لوگ ملتے ہیں اور ہر شعبہ کا یہی حال ہے کہ ادنیٰ صلاحیت رکھنے والوں سے لیکر اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے حامل ہماری آبادیوں میں موجود ہیں۔ دوسرے الفاظ میں قدرتی طور سے سوسائٹی طبقات میں منقسم ہے جو عام انسانی حقوق کی اساس پر تو ایک ہی ہیں لیکن افادیت کے معیار سے ان میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے اور دنیا ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کی قدر و منزلت کرنے پر مجبور ہے۔

سوسائٹی کے طبقات بلحاظ افادیت و قابلیت فطرت کے مطابق ہیں

اب عملی طور سے دیکھا جائے تو ایک اعلیٰ صلاحیت رکھنے والا بھی محنت کرتا ہے۔ مگر ان دونوں کی محنت کی افادیت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ٹوکری ڈھونے والا مزدور صرف اپنی جسمانی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس سے زیادہ افادیت اس کی صلاحیت کے باہر ہے۔ لیکن جب ہم ایک انجینئر کی محنت پر نظر کرینگے تو معلوم ہوگا کہ وہ کبھی ایک ایسا نقشہ مرتب کرتا ہے کہ ہزاروں مزدوروں کو کام مل جائے اور کبھی ایسی مشین ایجاد کرتا ہے کہ انسانی محنت کو ہزار گنا زیادہ موثر کر دے اور کبھی ایسے اوزار کی تخلیق کرتا ہے کہ مزدوروں کو محنت کرنے میں سہولت ہو اور پھر وہ سینکڑوں مزدوروں اور عملہ کے دوسرے افراد کی نگرانی اور رہبری بھی کرتا ہے تاکہ تعمیری کام کی تکمیل ہو سکے۔ جس طرح ایک انجینئر اپنے پورے ماتحت عملہ پر فوقیت رکھتا ہے اسی طرح ایک بڑے قانون داں کو اپنے شعبہ میں

اپنے سے کمتر درجے کی صلاحیت رکھنے والوں پر امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر شعبۂ حیات میں یہی صورت حال ہے کہ آگے بڑھے ہوئے کامیاب افراد اپنے پیچھے آنے والوں کے رہبر ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہر قابل انسان رہبر نہیں بنتا بلکہ جن لوگوں کی صلاحیت کے اچھے نتائج منظر عام پر آجاتے ہیں اور ان کی قابلیت مسلّم تصور کی جاتی ہے صرف ان ہی کو راہبر کا درجہ ملتا ہے۔ چنانچہ ہر بڑے شہر میں ایسے لوگ کافی شہرت حاصل کر لیتے ہیں اور تقریباً سب کی زبان پر ان کا نام ہوتا ہے۔ اور جب کبھی کسی شہری کو کسی فن سے متعلق مدد یا مشورہ لینا ہوتا ہے تو یہ شہرت یافتہ افراد میں سے کسی ایک فرد کو اس کام کے لیے پسند کر لیتا ہے اور اس سے رجوع کرتا ہے۔ کام کی جس قدر اہمیت ہوتی ہے اسی قدر اونچے انسان کی تلاش کی جاتی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جب کبھی ایک شہری کو کسی قند آور شخص کی تلاش ہوتی ہے تو وہ اپنے سے بہتر قابلیت رکھنے والے جان پہچان کے لوگوں سے مشورہ کرتا ہے اس طرح یہ انتخاب شعوری اساس پر کیا جاتا ہے۔

حکومت کیلئے قابلیت اور کردار رکھنے والوں کی ضرورت

اب جب کہ ہم کو ملک کا انتظام کرنا ہو تو زندگی کے مختلف شعبوں میں سب سے آگے بڑھے ہوئے لوگوں ہی سے مدد لینا چاہیئے تاکہ بہتر سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکے۔ حکومت کا انتظام دو شعبوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ایک شعبہ حکومت کی پالیسی بنانے والا اور نگرانی کرنے والا ہوتا ہے اور دوسرا شعبہ انتظامی ہے کہ جو پالیسی کے تحت سارے کاروبار عملی طور سے انجام دیتا ہے۔ جو شعبہ انتظامی ہے اس میں تمام کام کرنے والے اپنے معیارِ قابلیت کے لحاظ سے خدمتوں پر لیے جاتے ہیں اور اپنی کارکردگی کی اساس پر ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں

لیکن جو شعبہ پالسی بنانے والا ہے وہاں افراد کے لئے کسی معیار قابلیت کا تعین ہی نہیں ہے دورِ موجودہ میں ان افراد کو بالغ عوام اپنی پسند سے چُن لیتے ہیں اور اس طریقہ کو جمہوری طریقہ کہتے ہیں اور آج کے قائدین اسی کو بہت مستحسن طریقہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس طریقہ کار میں نہ تو ووٹ دینے والوں کے معیار شعور و قابلیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ امیدواروں کے معیار کا کوئی آئینی تعین ہے۔

جہاں تک جمہوریت کی روح کا تعلق ہے اس کو برقرار رکھتے ہوئے بھی حکومت کے معیار کو یقینی اونچا کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیئے۔ ہماری آبادیوں میں عموماً کچھ ایسی ہستیاں بھی موجود رہتی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے شعبہ میں ایک کامیاب زندگی گزاری ہے اچھے کردار کا ثبوت دیا ہے اور عوامی کاموں سے گہری دلچسپی لی ہے اور اب وہ عملی جدوجہد سے ہٹ کر ذہن و فکر کی اونچی منزلوں پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں حکومت کے لئے ایسے افراد کی فہرست مرتب کرنا آسان بات ہوگی کیونکہ ایسے اصحاب کا سرکاری اور عوامی ریکارڈ اور خانگی زندگی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ ایسی فہرست میں سے چوٹی کے حضرات کو اور بھی آسانی سے چنا جا سکتا ہے۔

بورڈ آف الڈرس ایک نیا منصوبہ

اگر سارے ملک کی آبادی سے صوبہ واری اساس پر اعلیٰ سطح کے اشخاص اس طرح چن لیے جائیں کہ جن میں ہر فن کے ماہر موجود ہوں تو ان سب کو ملا کر ایک بورڈ بنایا جا سکتا ہے جس کو "سنٹرل بورڈ آف الڈرس" کا نام دینا مناسب ہے سنٹرل بورڈ آف الڈرس کا فرض ہوگا کہ وہ جس اساس پر منتخب ہو کر آئے ہیں اسی اساس پر ہر صوبہ میں بورڈ آف الڈرس کے اراکین کا انتخاب کریں۔

ابتدائی انتخابات ختم

جب صوبہ واری انتخابات ختم ہو جائیں گے تو ہر بورڈ

کو اختیار دیا جائے گا کہ اپنے صوبہ کی مقننہ کے لئے معیاری اساس پر نمائندوں کا انتخاب کریں۔ اس طرح صوبہ واری مقننہ عوام کی منتخبہ ہونے کے بجائے انتہائی باشعور عوامی نمائندوں کی انتخاب کی ہوئی ہوگی "بورڈ آف اِلڈرس کے اختیارات بہت وسیع ہوں گے کیونکہ یہ اراکینِ مقننہ کا انتخاب بھی کریں گے اور ان کی کارکردگی پر نگرانی بھی رکھیں گے اور اگر کسی رکن کا طریقۂ کار غلط اندازکا ہوگا تو یہ اس کو نیک مشورے دینے کے مجاز ہوں گے اور اگر پھر بھی وہ ملک کے مفاد کے خلاف کام کرتا رہے تو اس کو علیحدہ کرنے کے بھی مجاز ہوں گے۔ اس طریقہ سے یہ فائدہ ہوگا کہ کسی رکن کو اپنے عہدہ پر اسی وقت تک رہنے کی توقع ہوگی جب تک کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا رہے کہ جو اس کے فرائض میں داخل ہیں ورنہ ملک میں اس کے لئے سخت بدنامی کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ اس طرح تمام اراکین مقننہ کو اپنے ملک کے بزرگوں کی ناراضی کا خوف اچھے کام انجام دینے کے لئے مجبور کر دے گا۔

نئے طرزِ حکومت کی خوبیاں

اس نئے طرزِ حکومت پر ہم غور کریں تو حسبِ ذیل خوبیاں پیدا ہونگی۔

(۱) مقننہ میں قابل ترین اراکین ہی آسکیں گے جن کی نہ صرف صلاحیتیں مسلمہ ہوں گی بلکہ وہ عوامی کاموں میں دلچسپی لینے کا بھی ثبوت رکھتے ہوں گے۔

(۲) ابتدائی الکشن کے کثیر اخراجات کی رقوم سرکاری اور عوامی دونوں کی بچت ہوگی۔

(۳) اراکین مقننہ ظاہری کام کر کے عوام کو خوش کرنے کے بجائے صحیح عوامی مفاد کے امور انجام دینے میں منہمک رہینگے۔ اور بے شعور لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اعلیٰ شعور رکھنے والوں کی نظر میں پسندیدہ بننے کی کوشش کریں گے۔

(۴) انتخابات کے زمانے کی بدعنوانیاں اور ترغیب و تحریص کی اخلاق سوز ترکیبیں ختم ہو کر عوام کا اخلاق بگڑنے کے بجائے بلند ہوتا جائے گا۔

غیر پارٹی حکومت

(۵) مقننہ کی تنظیم غیر پارٹی اساس پر قائم ہوگی اور ملک کے مفاد کے درمیان جو پارٹی مفاد کی دیوار ہے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گی۔ اس طرح کسی رکن کو پارٹی کا بھرم رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی

(۶) آج کی سیاسی تنظیمیں سوشل تنظیموں میں تبدیل ہو کر عوام کی فلاح و بہبود کے کام کرینگی اور عوام اور حکومت کے درمیان ایک مضبوط کڑی ثابت ہوں گی ان کے اراکین بہت ٹھوس کام انجام دینے کی کوشش کرینگے تاکہ وہ حکومت کی مشنری میں منتخب ہونیکی اہلیت پیدا کریں۔

یہ پوری اسکیم ایک ایسے طرز فکر کی پیداوار ہے جس کی بنیاد عوام اور ملک کے صحیح مفاد پر رکھی گئی ہے۔ اس کو روبہ عمل لانے کے لئے سب سے پہلے برسر اقتدار سیاسی تنظیموں کو قربانی دینی ہوگی لیکن یہ صورت ان تمام افراد کو چمکا کر ابھار دے گی جو واقعی عوام کی صحیح خدمت کرتے رہے ہیں البتہ وہ لوگ جو پارٹی کی قوت پر اب تک کھڑے رہے ہیں ہمیشہ کے لئے نظر سے اوجھل ہو جائیں گے۔

نئی تنظیم کی تفصیلات کے لئے بہت کافی لٹریچر کی ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ضبط تحریر میں آسکتا ہے جب عوام اپنے بنیادی مفاد کو سمجھ کر اس طرز فکر کی تائید کریں گیا اور ذاتی مفاد کو ختم کر کے عوامی مفاد اور ملک کے استحکام کو پیش نظر رکھیں جس کے نتیجہ میں ان کا مفاد بھی پہلے سے زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے گا اور ملک بھی تیز رفتاری سے ترقی کریگا۔

شعوری جمہوریت

منشاء قدرت یہی ہے کہ اجتماعی مفاد کو بڑھایا جائے تاکہ انفرادی حقوق کی حفاظت ہو سکے اگر یہ منشاء نہ ہوتا تو انسان کو علیحدہ علیحدہ زندگی بسر کرنے کی فطری صلاحیت عطا کیجاتی۔ جب انسان اجتماعی زندگی بسر کرنے ہی کے لئے خلق ہوا ہے تو کیوں نہ ہم قوانین قدرت سے ہم آہنگی پیدا کرنیکی کوشش کریں اور ایک خاندان کی یک جہتی سے لیکر شہر، صوبہ۔ ملک اور عالمی اساس پر یک جہتی کا پروگرام بنائیں اور اس پر عمل کرکے بہترین نتائج اپنے لئے اور سب کے لئے حاصل کریں اس طرز حکومت کو "شعوری جمہوریت" کا نام دیا جا سکتا ہے جو معنوی حیثیت سے بہت مناسب ہوگا اور جس کا انگریزی ترجمہ "انفارمڈ ڈماکریسی" ہو سکے گا۔

شعوری جمہوری نظام کے عملی نتائج دیکھنے کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہوگا کہ سیاسی تنظیمیں اس اساس پر خود کام کرنے لگیں اور دیکھیں کہ ان کی تنظیم میں پہلے کے مقابلہ میں [redacted] تبدیلی ہوتی ہے یا نتائج اور خراب ہوجاتے ہیں۔ اگر نتائج بہتر ہوں تو ملک کے دستور میں ایسی ہی تبدیلی پیدا کرنا آسان ہو جائیگا۔

انسانوں کی انفرادی ذمہ داریاں

کسی ملک میں امن و امان اور فلاح و بہبود کے لئے حکومت کے اچھے نظم و نسق کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ انفرادی طور سے عوام میں اپنی صحیح ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو اور وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہیں۔ انسانی ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) جسم و جان کی حفاظت (۲) شخصیت کو بلند کرنے کی کوشش۔

(۱) انسان کے لئے جسم و جان کی حفاظت اس کا فرضِ اولین ہے کیونکہ اس کے سارے عمل کا دارومدار اس کی زندگی اور جسمانی صحت پر ہے۔ اس کو اپنے کارِ منصبی میں ان تمام اعضاء سے کام لینا پڑتا ہے جو قدرت نے اس کو عطا کئے ہیں۔ اس لئے کارِ منصبی کے لحاظ سے جسم اس کی پہلی امانت ہے۔

انسان کی جسمانی زندگی کے لئے چند بنیادی ضروریات ہیں جن کی سربراہی خود انسان کے ذمہ ہوتی ہے۔ ۱۔ غذا ۲۔ لباس ۳۔ مکان ۴۔ صحت مند ماحول۔

غذا

انسان کی پہلی ضرورت مناسب غذا ہے جس کے بغیر نہ زندگی قائم رہ سکتی ہے اور نہ صحت۔ ہر ملک میں مقامی حالات کے لحاظ سے لوگ مختلف قسم کی غذائیں استعمال کرتے ہیں لیکن غذا کے مسئلہ میں چند اصولوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ (۱) غذا میں قدرت نے لذت دی ہے تاکہ انسان کو اس ضرورت کے پورا کرنے میں مسرت حاصل ہو لیکن باشعور انسانوں کو لازم ہے کہ غذا کو ضرورت کے لحاظ سے استعمال کریں اور زندگی برائے غذا کا مصداق نہ بنا دیں۔ (۲) ملک میں غذائی پیداوار کو اونچا کرنے کی کوشش کو اولیت دیتے ہوئے یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ تجارت میں یا گھروں میں اجناس کی ذخیرہ اندوزی نہ کی جائے اور کسی طرح بھی غذاؤں کا غیر ضروری استعمال نہ ہو۔

(۳) ایسی اشیاء غذا کے طور پر یا تفریحی طریقہ سے استعمال نہ کرنا چاہیئے کہ جو صحت کے معیار کو اونچا کرنے کے بجائے متاثر کریں یعنی غذا کے مسئلہ میں حفظانِ صحت کے اصولوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

لباس

غذا کے بعد لباس کا مسئلہ اہمیت رکھتا ہے۔ لباس کے استعمال میں تین پہلو سامنے آتے ہیں (۱) جسم کو موسمی اثرات سے بچانے

محفوظ رکھنا۔ (۲) انسانی تہذیب کا مظاہرہ کرنا (۳) لباس کی خوشنمائی کو قدرت کے بتائے ہوئے نمونوں کے معیار پر پہنچانا

(۱) جہاں تک لباس کا صحت سے تعلق ہے انسان بخوبی واقف ہو چکا ہے کہ کس موسم میں اور کس وقت کیسا لباس اور کس معیار کا لباس پہننے کی ضرورت ہے۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ غذا کے بعد انسانی ضرورتوں میں لباس کی بڑی اہمیت ہے اس لئے کپڑے کا صحیح استعمال ہونا چاہیئے اور جس قدر کپڑا ملک میں میسر ہو اسی انداز سے خرچ میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے اور کپڑا بنانے والوں کا فرض ہے کہ وہ کپڑے کی خوبصورتی سے زیادہ پائیداری کا خیال رکھیں تاکہ انسانی محنت جلد رائیگاں نہ ہو جائے

(۲) لباس انسانی تہذیب کا ایک نمایاں نمونہ ہوتا ہے اور کسی قوم کی بلند خیالی اور تمدنی کیفیت کا قومی لباس سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ مہذب قومیں لباس کی ترتیب میں تہذیب کا بہت خیال کرتی ہیں اور عریانی سے بچتی ہیں کیونکہ عریانی صرف حیوانوں کے لئے زیبا ہے۔

(۳) جہاں تک لباس کی خوشنمائی اور وضع کا تعلق ہے انسان اپنے چو ہر دکھاتا ہے اور قدرت کے رنگا رنگ نمونوں کو دیکھ کر اپنے لئے اچھے سے اچھے ڈزائن تیار کرتا ہے قدرت نے اپنی دوسری مخلوق کو اتنا رنگین اور خوبصورت لباس عطا کیا ہے کہ جن سے انسان کو اپنے لئے نئے نئے ڈزائن کے لباس تیار کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ چونکہ یہ کام انسانی شوق پر چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے اس مقام پر انسانوں کو اپنی صلاحیتوں کے مظاہرہ کا موقع ملا ہے جس کو اعتدال اور سلیقہ کے ساتھ پورا کرنا چاہیئے تاکہ بیجا اسراف کے انسانی سیج دھج بہت بلند رہے۔

مکان

انسانی ضرورتوں میں تیسری بنیادی چیز مکان ہے۔ انسانوں کو مکانوں کی

ضرورت کئی وجوہ سے لازمی ہے۔ پہلی وجہ تو ویسی ہی ہے کہ جیسے جانوروں کو ہوتی ہے یعنی جسم کی حفاظت۔ آرام کی ضرورت۔ بچوں کی پرورش۔ انسانوں کے لئے آرام اور حفاظت کے علاوہ بھی اس کے دوسرے تنظیمی کاروبار کے لئے مکان کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس حد تک رہائش اور خاندان کی حفاظت کا تعلق ہے ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنی ضرورت اور حفظان صحت کا لحاظ رکھتے ہوئے کم سے کم جگہ استعمال کرے تاکہ دوسرے انسانوں کے لئے جگہ کی قلت نہ واقع ہو۔ دوسرے کاروبار میں انسانوں کو دفاتر۔ فیکٹریاں۔ کتب خانے اور دوسرے ادارہ جات کے لئے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیئے کہ عام مفاد کی چیزوں کے لئے مکانوں کی تعمیر میں اپنے حسب حیثیت مدد کرتا رہے۔

صحت مند ماحول

یوں تو آج سب ہی جانتے ہیں کہ حفظانِ صحت کے اصول کیا ہیں اور زندگی میں کیا حفاظتی تدابیر کی جائیں کہ صحت کا معیار اونچا رہے لیکن بعض لوگ اپنی صحت کو اس طرح نظر انداز کرتے ہیں کہ جیسے ان کی تندرستی سے کسی دوسرے کو کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہر انسان کو اپنے تئیں سوسائٹی کی امانت سمجھنا چاہیئے اور اپنی صحت کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مفید کام انجام دے سکے اور دوسرے افراد اس کی خرابی صحت سے متاثر نہ ہوں۔ اس دنیا میں قدرت نے انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق بھی پیدا کی ہے کہ جو زندہ رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ قدرت نے تمام مخلوق کو ان کی حفاظت اور بقاءِ نسل کے ذرائع فراہم کئے ہیں اس لیے ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی حفاظت کی تمام ممکن تدابیر اختیار کریں۔ اور محکمۂ حفظان صحت کے مشوروں پر عمل کرتے رہیں۔ جب تک انفرادی حیثیت سے اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا جائیگا اس وقت تک نتائج اچھے نہیں ہو سکیں گے۔

خاص طور پر ہر انسان کی یہ تنہا ذمہ داری ہے کہ اپنے جسم اور اعضاء کو پاک صاف رکھے اور جملہ ملوثات سے دور رہے اور وقتاً فوقتاً مضرت رساں چیزوں سے اپنے جسم کو پاک کرتا رہے۔ کوئی حکومت لوگوں کے گھروں کی یا شخصی صفائی اور پاکیزگی کا انتظام نہیں کر سکتی اس لئے ہمارا فرض ہے کہ خود اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے بہتر سے بہتر صفائی کا انتظام رکھیں اور عام صفائی کے معیار کو برقرار رکھنے میں پوری پوری مدد دیں تاکہ ملک کے دوسرے عوام بھی بیماریوں سے محفوظ رہیں۔ جب کسی ملک میں کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے تو کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہتا۔ یہاں بھی اجتماعی حفظان صحت کے اچھے انتظامات میں ہی انفرادی حفاظت مضمر ہے۔

شخصیت

کبھی ہم دور سے کسی مجمع پر نظر ڈالیں تو ایک انسان کو دوسرے انسان سے تمیز کرنا مشکل ہوگا لیکن اگر قریب پہنچ جائیں تو ہر شخص کی شکل وصورت صاف نظر آنے لگے گی اور سب اپنی اپنی جگہ منفرد معلوم ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کو اس کی شکل وصورت ہی سے پہچانا جاتا ہے اور پھر ہر شخص کا علیحدہ نام بھی نشان دہی کرتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو شکل وصورت سے بھی زیادہ فرق کرنے والی چیز ہر انسان کی شخصیت ہوا کرتی ہے۔ شخصیت انسان کے ذاتی صفات کا مظہر ہوتی ہے اور اپنی جملہ صفات کی اساس پر آج تک دنیا میں دو افراد ایک دوسرے کے مماثل پیدا نہیں ہوئے۔ ظاہری شکل وصورت میں ملتے جلتے لوگ اکثر دیکھنے میں آتے ہیں لیکن شخصیت کے اعتبار سے ایک ہی پسند اور ناپسند رکھنے والے اور ہر کام ایک ہی طریقہ اور تخیل سے انجام دینے والے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئے۔ جسم کی حیات کے لئے چند بنیادی ضرورتیں ہیں جن کو انسان پورا کرنے پر مجبور ہے ورنہ جسم کے کسی عضو کی خود کوئی ذاتی خواہش

نہیں ہوتی۔ جسم بیرونی احساسات کو انسانی نفس تک پہنچا دیتا ہے اور انسان ان احساسات کی روشنی میں اپنے ذاتی مفاد کے لئے یا اپنی پسند کے مطابق اعضاء سے کام لیتا ہے۔ انسان کا صرف ارادہ اعضا کو حرکت دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ انسانی دماغ بھی انسان کے تابع ہوتا ہے اور جو کچھ بھی معلومات انسان اس میں محفوظ کرنا چاہتا ہے دماغ اس کو حافظہ میں لے لیتا ہے۔ اور جب انسان کسی بات کے متعلق علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو متعلقہ حافظہ کے مراکز اس کو پیش کر دیتے ہیں۔ اس طرح ہر کام انسان کے صوابدید سے ہوتا ہے نہ جسم کو اس سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ہمدرد کار رہتا ہے۔ یہ صرف انسان کی خدمت کے لئے بنا ہے اور اسی جسم کی وجہ سے انسان کا دنیا میں وجود اور حفاظت ہے اور اسی کے توسط سے یہ شعور حاصل کر کے اپنی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔ چنانچہ اگر جسم کا کوئی عضو بیماری کی وجہ سے منقطع کر دیا جائے تو جسم ضرور ناقص ہو جاتا ہے لیکن انسان کی سالمیت اور شخصیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس لئے جسم کو عارضی جزو سمجھنا چاہیئے اور انسانی توانائی اور شخصیت کو مستقل جزو تسلیم کرنا چاہیئے۔

انسانی توانائی

انسان اگر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کے جسم کی ساری کام کرنے کی صلاحیتیں کسی اندرونی قوت کے تابع ہیں۔ یہ قوت اپنے شعور سے انسان کی ذاتی بھلائی کے لئے اعضاء سے کام لیتی ہے۔ انسانی شعور علم اور تجربات کی روشنی میں حاصل ہوتا ہے اور دماغ علم کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے۔ زندگی میں بھلائی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک تو جسمانی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا شخصیت سے۔ جسم کی ساری بنیادی ضروریات کے ساتھ لطف اور تکلیف کا احساس شریک رہتا ہے۔ مثلاً غذا کے کھانے میں لطف آتا ہے اور انسان اس ضرورت کو لطف کے ساتھ پورا کرتا ہے لیکن اگر بھوک معلوم ہو اور غذا استعمال نہ کی جائے تو تکلیف ہوتی ہے۔ لباس اور مکان بھی انسانی ضروریات میں ایسی ہی

بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی لطف حاصل کرنے کے پہلو موجود ہیں۔ اسی طرح بقائے نسل کے لئے بھی قدرت نے زبردست مسرتیں فراہم کی ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جسم کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے میں انسان کو یقینی مسرت حاصل ہوتی ہے ورنہ دوسری شکل میں تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عارضی مسرتیں

جسمانی فلاح و بہبود کی تمام چیزیں عارضی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ہر ضرورت کی تکمیل کے بعد پھر ویسی ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے یعنی بھوک لگنے پر کھانا کھالیا جاتا ہے لیکن چار گھنٹے کے بعد پھر بھوک لگتی ہے اسی طرح ہر ضرورت کا یہی حال ہے کہ مسلسل حاجتیں اور مسلسل سرمایاں تا حیات یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر قدرت جسمانی ضرورتوں کے ساتھ تکلیف کے احساس کو نہ پیدا کرتی تو انسانی زندگی ہمیشہ خطرہ میں رہتی اور نہ معلوم کتنی جانیں لاپرواہی سے ختم ہوجایا کرتیں۔ جسم و جان کی سلامتی کا پورا نظام جس طرح انسانوں میں دیکھا جاتا ہے ویسا ہی دوسری مخلوق میں بھی موجود ہے۔ اور ان کے اندرونی تکلیف کے احساسات ضرورتوں کو پورا کرنے کی طرف رہبری کرتے رہتے ہیں۔ اب اگر انسان اسی جسمانی نگہداشت کی حد تک رہ جائے تو وہ حیوانی سطح سے بلند نہ ہوسکے گا۔

شخصیت کا احساس

انسان کو اپنے علم سے اتنا شعور ضرور ہوجاتا ہے کہ اس کو حیوانی سطح سے بلند ہوکر زندگی گزارنا چاہیئے اس لئے ہر شخص اپنے سطح دماغ اور شعور کے مطابق اپنی شخصیت کو بلند کرنے کی کوشش میں کچھ مسلمات پر کاربند ہوتا ہے۔ اور اپنے ایقان کے مطابق بعض افعال کو اچھا اور بعض کو برا سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے دماغ میں اپنے تصنیفوں کے مطابق ایک ایسی فہرست مرتب ہوجاتی ہے کہ جس میں اچھی اور بری باتیں شامل ہوتی ہیں۔ اچھی باتیں وہ ہوتی ہیں کہ جن کے کرنے سے وہ سمجھتا ہے کہ

اس کی شخصیت بلند ہوگی اور بری باتیں وہ ہوتی ہیں کہ جن کے کرنے سے اس کی شخصیت خود اس کی نظر میں پست ہوجاتی ہے۔ اچھائی اور برائی کا معیار بھی مختلف انسانوں میں مختلف مسلّمات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ان سارے تصورات کے مجموعے کو ضمیر کہا جاتا ہے۔

ضمیر اور ضمیر کی آواز

ہر انسان اپنے کاموں میں ضمیر سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب ہی اس کو اطمینان ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے ضمیر کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے تو وہ پریشان ہوجاتا ہے کیونکہ جس شخصی مفاد کی بنا پر اس نے اپنے ضمیر کو مرتب کیا تھا۔ اس کا عمل اس کے خلاف ہوجاتا ہے۔ اس طرح یہ سمجھنا آسان ہے کہ انسان اگر اپنے ضمیر کے خلاف کوئی کام کرکے رنجیدہ ہوتا ہے تو اس کی تہہ میں وہ اپنا نقصان سمجھ کر ہی رنج کرتا ہے۔ اس رنج کا تعلق کسی دوسری ذات کے نقصان سے ہرگز نہیں ہوتا۔ انسانی سوسائٹی میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ مختلف گروہوں میں شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کا تصور الگ الگ ہوتا ہے اور اسی لحاظ سے ان لوگوں میں ضمیر کی آواز بھی مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک انتہائی امن پسند انسان کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے جو چیونٹیوں کو بھی مارنا پسند نہیں کرتا اور درخت کی ایک پتی بھی بلا ضرورت نہیں توڑتا وہاں ایسے انسان بھی سامنے آتے ہیں جو دوسرے انسانوں کو قتل کرکے اپنے گردن کو ان کی کھوپڑیوں سے زینت دیتے ہیں اور ایسی قوم میں جس کے پاس زیادہ کھوپڑیاں ہوں اس کی شخصیت سوسائٹی میں بلند سمجھی جاتی ہے

پُر عظمت شخصیت

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر شخصیت کا تعلق بالکلیہ رسم و رواج سے ہے تو ہر شخص کو اپنے ملک اور قوم کے رائج الوقت طریقوں کے مطابق ذہنوں کو ڈھالنا چاہیئے تاکہ سوسائٹی میں اس کی عزت اور توقیر

ہو اور اس کا نفس اس عزت سے لطف حاصل کر سکے۔ مگر اس طرح سوچنے سے انسانیت کا صحیح معیار مقرر کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں اس تصور کے مطابق معیارِ انسانیت الگ الگ ملے گا اور جب ہم مختلف گروہوں کے معیاری لوگوں کا مقابلہ کریں گے تو زمین آسمان کا فرق پایا جائے گا۔ اس طرح یہ طے کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا کہ دراصل انسانیت کا صحیح معیار کیا ہے۔ اس مقام پر ہم کو پھر قوانین قدرت ہی سے مدد لینا پڑے گی اور جس طرح ہم نے انسانی صفات اور مقصد کائنات کی اساس پر شخصی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے اسی طرح انسان کی شخصیت کا معیار بھی اسی روشنی میں مقرر کرنا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جس قدر اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اس کی شخصیت بلند ہوگی اور جتنا اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرے گا اس کی شخصیت پست ہوتی جائے گی۔

کیا شخصیت فنا ہو جاتی ہے

اب ہمارے سامنے پھر ایک اہم مسئلہ آجاتا ہے کہ جس کے تصفیہ کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا انسان کی شخصیت کا تعلق اس کی بنیادی زندگی ہی تک محدود ہے یا اس زندگی کے بعد بھی شخصیت باقی رہتی ہے ؟

اس تعلق سے جب ہم سوچتے ہیں تو بعض اہم چیزیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ ہر شخص اس بات کو ضرور محسوس کرتا ہے کہ اس کے سارے کاموں میں ایک قسم کی توانائی کارفرما ہے کہ جس کو وہ خودی یا انا کہتا ہے لیکن یہ بھی جانتا ہے کہ چونکہ اس انا کی ماہیت سے وہ واقف نہیں ہے اس لئے نہ تو اس کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی صحیح تعریف کر سکتا ہے۔ البتہ اس کی موجودگی کا وہ ایسا ہی احساس کرتا ہے جتنا اس کو اپنے جسم کے وجود کا یقین ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر تو ضرور پہنچ سکتے ہیں کہ ہمارے جسم میں توانائی کی جو اکائی موجود

ہے اس کی ماہیت جسم کی حیات سے یقینی مختلف ہے۔

ہمارا جسم مادی اجزاء سے بنا ہوا ہے اور جب اس کی حیات ختم ہو جاتی ہے تو یہ اپنے اجزائے ترکیبی میں بکھر جاتا ہے لیکن وہ توانائی جو جسم پر حکمراں ہوتی ہے اور جس کی ادنیٰ سی آواز فضاؤں میں محفوظ رہتی ہے کس طرح جسم کے ساتھ فنا ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ انسانی توانائی اپنی شخصیت کے ساتھ ظاہری موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس شخصیت نے جو اعمال اپنی زندگی میں کئے ہیں وہ بھی برقی لہروں کی شکل میں فضاؤں میں محفوظ رہتے ہیں۔

یہ نکتہ اہل فہم کے سوچنے کا ہے کہ جب ساری کائنات ایک قوت کی رو پر چل رہی ہے تو اس میں کسی قسم کا تغیر فضا سے ضائع نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ایک واقعہ جو ایک وقت میں حقیقی حیثیت سے ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے جب وہ قوت کی لہروں میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر ان لہروں کو پھر جمع کر دیا جائے تو وہی منظر دوبارہ سامنے آجائیگا اس اصول کو اگر پہلے کوئی بیان کرتا تو یقین نہیں آتا لیکن آج ٹیلی ویژن جیسی ایجادوں کے بعد ہم کو انکار کا کوئی موقع نہیں رہا۔

اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انسانی توانائی اپنی ذاتی شخصیت کے ساتھ فنا نہیں ہو سکتی بلکہ ظاہری موت کے بعد بھی کائنات میں موجود رہتی ہے۔

انسان اپنے آپ کو پہچان کر ہی خالق کو پہچان سکتا ہے

اس مقام پر یہ لطیفہ فکر ملتا ہے کہ جس طرح ہمارے جسم میں ایک توانائی کارفرما ہے جس کے سارے مظاہر دیکھتے رہنے کے باوجود ہم اس کی تعریف نہ کر سکے اسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ کائنات کے پس پردہ جو عظیم توانائی کام کر رہی ہے اس کو بھی دیکھنا ممکن نہیں ہو سکتا بلکہ صرف اس کے صفات کا مظاہرہ ہی دیکھا جا سکتا ہے

انسانی توانائی کائناتی توانائی کا جزو ہے

اگر غور کیا جائے تو انسانی توانائی کائناتی توانائی کا ایک جزو معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں بھی محدود پیمانے پر اقدار کے ویسے ہی مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں جیسے کائنات میں موجود ہیں۔ انسانی توانائی اپنی شخصیت کو صحیح طریقۂ کار سے بلند کر کے ہی زیادہ با اثر ہو سکتی ہے۔

جب اس کی شخصیت بلند ہوگی تو کائنات کے اونچے طبقات تک پہنچ سکے گی اور وہ قدرت کے مظاہرے جو آگے کے طبقات میں موجود ہیں دیکھ سکے گی۔ انسانی ہستی کو اس دنیا میں علم حاصل کر کے شعور پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے اور قدرت کا یہ منشاء ہے کہ وہ کائناتی توانائی کو پہچانے اور اس کی مرضی کو جان کر دنیا میں جدوجہد کرتے ہوئے علم دستور حاصل کرے اور انسانی سوسائٹی کی تعمیر میں پورا پورا حصہ لے۔ لہذا جو انسان اپنے شعور کو شعور کامل سے قریب تر کر دینگے اور اپنے عمل سے قدرت کے منشاء کو صحیح طریقے سے پورا کرینگے ان کی توانائی اپنے اثر میں بڑھتی جائے گی۔ اور اس کا دائرہ کائنات تک وسیع ہو جائے گا ورنہ دوسری شکل میں انسانی توانائی کمزور ہو کر نیچے کے طبقات میں پڑی رہے گی جس کی وجہ سے انسانی شخصیت کو سکون نہ مل سکے گا اس بیان کی اس طرح تشریح کی جا سکتی ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر وجود کی بقا کے لئے مناسب اور موزوں ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر کسی مخلوق کو موزوں ماحول نہ ملے تو اس میں ترقی کے بجائے انحطاط پیدا ہوتا ہے اور حیات ختم ہو جاتی ہے۔ ہم جب یہ جانتے ہیں کہ انسانی شخصیت اس دنیا میں ہر قسم کے احساس کا تجربہ حاصل کر لیتی ہے اور خاص قسم کی پسند اور ناپسند کے خصوصیات کی حامل ہو جاتی ہے تو یہ تصور کرنا آسان ہوگا کہ اگر اس کو غلط ماحول میں رہنا پڑے تو کس قدر اس کے لئے بے لطفی کا باعث ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ماہی بے آب کی ہوگی کہ جس کو نہ موت آئے

اور نہ سکون مل سکے۔ ان حالات میں ہر باشعور انسان اپنی ذاتی بھلائی کے لئے اپنی شخصیت کو ضرور بلند کرنے کی کوشش کرے گا چاہے اس کو کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں۔

خودغرضی انسان کی فطرت ہے

چونکہ شخصیت کو بلند کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان دنیا میں حقیقت شناس بنے اور انسانی سوسائٹی کو بلند کرنے میں اپنا پورا پورا حصہ ادا کرے اس لئے اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں اگر کوئی شخص ایثار سے کام لے کر دوسروں کی خدمت کرتا ہے تو دراصل وہ خود اپنی ہی بھلائی کا کام کر رہا ہے۔ اس نکتہ کو جو لوگ سمجھتے ہیں وہ خدمت کرکے نام و نمود حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنے نیک اعمال کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی شخصیت اعلیٰ کردار کی حامل بن کر بلند ہو اور وہ آئندہ کی ارتقائی منازل کو سکون کے ساتھ طے کر سکیں۔

اس تفہیم سے ایک عجیب بات سامنے آجاتی ہے وہ یہ کہ دنیا میں نیک سے نیک انسان بھی صرف اپنے ہی لئے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے۔ قدرت نے کسی سے کسی کو خیرات دینے کا مطالبہ نہیں کیا ہے جو کچھ انسان کرے گا اچھا ہو یا برا اس کا اثر دوسروں پر اتنا گہرا نہ ہو سکے گا جتنا کہ خود اس کی شخصیت پر ہوگا۔

باشعور انسان خودغرض ہو تو بہترین انسان ہوگا

اس اصول پر ایک انتہائی خودغرض مگر باشعور انسان اس دنیا میں بہترین انسان معلوم ہوگا کیونکہ وہ ذاتی فائدہ سے باخبر ہوگا۔ برخلاف اس کے ایک بے شعور انسان جو اپنی بنیادی بھلائی سے واقف نہیں ہے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے خودغرضانہ طریقہ اختیار کرے گا تو وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ خود اپنی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کا باعث بنے گا۔ چنانچہ دنیا میں

ایک ظالم انسان دراصل خود اپنی شخصیت پر زیادہ ظلم کرتا ہے اور ایک نیک رحمدل انسان اپنے عمل سے دنیا والوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچاتا جتنا کہ وہ خود اپنی ذات کو پہنچاتا ہے۔

زمانہ کے ہر دور میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں کہ جنہوں نے اپنے عمل سے انسانیت کے اعلیٰ ترین معیار کو اپنی حیات میں پیش کیا اگر قدرت ایسی شخصیتوں کو نہ پیدا کرتی تو ہم کو انسانیت کا صحیح معیار اور مقام نہ معلوم ہوتا۔

دنیا میں امن حاصل کرنے کا واحد طریقۂ کار

اگر انسان ہر طرح کا امن وسکون حاصل کرنا چاہے تو زندگی کی حقیقتوں سے واقف ہو کر صحیح طریقۂ کار اختیار کرے اور اپنی ہی بنیادی فلاح وبہبود کے لئے اس طرح کام کرے کہ جو زندگی اس کو حسنِ عمل اور شعور حاصل کرنے کے لئے قدرت نے عطا فرمائی ہے اس کے ایک ایک لمحہ کو اپنی شخصیت کی تعمیر میں خرچ کرتا رہے یہی وہ طریقۂ کار ہے جس سے امنِ عالم کی ضمانت بھی ہو سکے گی اور دنیا ترقی کی منزلوں کی طرف تیزی سے بڑھتی چلی جائے گی ورنہ کسی انسان کو ایسے ایثار کی ترغیب دینا جس میں ذاتی فائدہ نہ ہو آج تک موثر نہ ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے۔

جب یہ بات واضح طریقہ سے سامنے آجاتی ہے کہ قدرت نے انسان کی بنیادی فلاح اور حیات بعد الموت کی آسائشوں کا انحصار اس کے نیک اعمال ہی پر کیا ہے تو اگر نیک اعمال کے لئے دوسرے انسانوں کی خدمت کرنا ہی لازمی ہو جاتا ہے تو پھر کسی پر احسان جتانے کا سوال ہی کیا ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی ایسا شخص مل جائے کہ جس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا موقعہ دستیاب ہو سکے تو یقیناً یہ مقام تشکر ہوگا نہ کہ جائے فخر۔

مصنف کی سابقہ تصنیف

خالقِ کائنات

پر تبصرے

نواب حسین علی خاں ایم۔ اے ایل ایل۔ بی

"امن و اتحاد اور عالمگیر برادری اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ ہر قوم و ملت کے افراد ایک ہی مرکز سے وابستہ ہوں اور وہ مرکز خالق کائنات ہی ہو سکتا ہے جس سے وابستگی کی ضرورت اور اہمیت مقالہ "خالق کائنات" میں جس اچھے پیرائے میں تفہیم کی گئی ہے وہ قابل ستائش اور یہ تحریک ہر ذی شعور انسان کے لئے لائق تائید ہے"

مولوی عباس حسین صاحب دوم تعلقدار وظیفہ یاب

"ایسے مقالے غور کا رجحان پیدا کر سکتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش قابل مبارکباد ہے۔"

حکیم ڈاکٹر طاہر حسن صاحب شمسی حویلی قدیم

میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی ساری مساعی جمیلہ اسی امر پر مرتکز ہیں کہ اللہ کا دین ایک ہی ہے اور سارے انسانوں کو اسی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے جس کو صاحب موصوف نے مختلف پہلوؤں سے فلسفہ اخلاق کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

مولوی سید ریاض الدین حیدر جعفری شمس الافاضل محقق کتب امامیہ کتب خانہ نواب سالار جنگ مرحوم

مخلصی جناب ڈاکٹر اختر صاحب مدظلہ العالی نے جو علم الادیان کے اہم ترین موضوع پر قلم فرسائی کی ہے وہ موجودہ حالات کے تحت

قابلِ صد آفریں ہے۔"

مولوی سید مجتبیٰ احمد صاحب بی۔اے بی ٹی پرنسپل تعلیمات وظیفہ یاب

نوجوان طبقہ کے سامنے جو موجودہ سائنسی علوم کی روشنی میں اور عقلی دلائل کی کسوٹی پر ہر اعتقاد کو پرکھنا چاہتا ہے اس سے بہتر رسالہ نہیں پیش کیا جا سکتا تھا۔ خدا ڈاکٹر صاحب کی اس کوشش کو بارآور کرے۔ آمین۔

انجم بارہ بنکی (ادارہ)

"دراصل یہ ایک مسلسل اور پُر تاثیر لیکچر ہے جو بیس۲۰ صفحات پر مشتمل ایک دیدہ زیب رسالہ میں نہایت شیریں اور عام فہم زبان میں چھاپ دیا گیا ہے اور حقیقتاً الہامی و حقیقی فلسفیات کا ایک مکمل آئینہ ہے بہراتے دلائل وجود باری اور امور معاد و معاش میں طلب تائید الٰہی کو انوکھے اور نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کو موجودہ فلسفیات اور عقل و قیاس و مذہبیات بلا چون و چرا قبول کرنے پر تیار ہوں گے کیا اچھا ہوتا کہ جلد ان صفحات کے تراجم متعدد مروجہ زبانوں میں اہلِ نگاہ کے سامنے پیش ہوتے!

(ادارہ) اخبار "سوراجیہ" دھلی

"اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

مقالہ ہذا دورِ حاضرہ کی روحانی ضروریات کے پیش نظر ایک قابلِ ذکر جسارت ہے خیالات فوری کسی جذبہ جوش و شوق کے ماتحت نہیں بلکہ سالہا سال کے فکر و تردد کا نتیجہ ہیں۔ ایسے اہم دقیق مسئلہ کو عام فہم زبان میں پیش ناظرین کرنے کا فرضِ انسانی خوب ادا کیا گیا ہے۔ بشرطِ حیاتِ بعد از حشر زندگی اور کائنات کے تمام پہلوؤں پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔"

(ادارہ) "ہماری زبان"

"اس کتابچے میں مصنف نے خالقِ کائنات کے وجود کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس اہم مسئلے پر بحث کی دو راہیں ہیں۔ ایک تو وہ جو قدیم فلاسفہ و حکما نے اختیار کی تھی جس میں استقرائی طرزِ استدلال سے کام لیا جاتا تھا۔ دوسرے وہ ہے جو قرآن حکیم نے اختیار کی ہے یعنی کائنات کے مرتب نظام اور اس کے منضبط قوانین سے ایک حکیم و علیم ذات کے وجود کی جانب رہنمائی۔ مصنف نے یہی آخری طریقہ استعمال کیا ہے۔ انھوں نے بالکل صحیح کہا ہے کہ خالق کی ہستی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری مضبوط مرکزیت نہیں ہوسکتی۔

(مطبوعہ)

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد

(اے۔پی)